حیات فخر الاسلام

مولانا مفتی جمیل الرحمٰن صاحب رحمانی

الجمعیۃ بک ڈپو قاسم جان اسٹریٹ۔ دلّی ۶

فلنحیینّہٗ حیاۃً طیّبۃً

ہم ضرور ایسے اشخاص کو (دنیا میں) اچھی زندگی بسر کرائیں گے۔

مجاہد حریت امام المتکلمین رئیس المتورعین فخر الاسلام والمحدثین
حضرت مولانا سیّد فخر الدین احمد صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند کے حالات زندگی کا ایک

عظیم شاہکار

حیاتِ فخر الاسلام

از

مولانا مفتی جمیل الرحمٰن رحمانی

ناشر
الجمعیۃ بکڈپو گلی قاسم جان دہلی ۶

بار اوّل — ایک ہزار ۱۰۰۰

نام کتاب — حیات فخر الاسلام

مصنّف — مفتی جمیل الرحمٰن رحمانی

صفحات — ۲۹۶

کتابت — مطیع اللہ قاسمی استاذ عربی جامعہ حمائیہ ہاپوڑ

سن طباعت — سنہ ۱۹۶۴ء

قیمت — پانچ روپیہ ساٹھ پیسے 5/60

ناشر

الجمعیت بکڈپو گلی قاسم جان دہلی ۱۱۰۰۰۶

مطبوعہ (الجمعیتہ پریس دہلی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

ان سرفروش مجاہدوں کے نام جنھوں نے
ملک و ملّت کے لئے عظیم قربانیاں پیش کرکے
قوم کو مینارۂ عروج بخشا اور خود ایثار و اخلاص
سے سرشار ہوکر منافعِ دنیوی سے اعراض کیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

جمیل الرحمٰن رحمانی ہاپوڑ

۲۳ر ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ

فہرست حیاتِ فخر الاسلام

عنوانات	صفحات
حضرت حکیم سید عالم کی حذاقت	۴۷
فخرالاسلام کی جائے ولادت	۴۹
ابتدائی تعلیم	۵۰
بچپن کا شوقِ بیان	۵۳
فخرالاسلام کے لئے مدرسہ کا قیام	۵۴
حضرت مولنا عبدالحیٔ کی آمد	۵۵
مولنا عبدالحیٔ کا تخصصِ علمی	۵۶
حصول تعلیم کے لئے اسفار	۵۸
طالبعلمانہ زندگی	۶۱
آزمائشوں کی یلغار	۶۴
والدہ ماجدہ کا سفرِ آخرت	۶۶
والد محترم کا وصال	۶۶
والدین کی رحلت کے بعد تعلیمی نظم	۶۷
دارالعلوم دیوبند کے لئے روانگی	۷۰
امتحان داخلہ	۷۲
طالبعلمانہ خصوصیات	۷۴
تفوّقِ علم و فہم	۷۶
تدریس کا آغاز	۷۶
مدرسہ شاہی مرادآباد کا تقرر	۸۰

عنوانات	صفحات

عنوانات	صفحات
کانگریس اور جمعیۃ علماء کی قیادت	۱۲۴
جمعیت احرار کی صدارت	۱۲۵
جمعیۃ علماء کی مرکزی صدارت	۱۲۶
مکارمِ اخلاق کی رفعت	۱۲۸
غرباء اور ناداروں کے ساتھ	۱۳۱
خدّام کے ساتھ	۱۳۳
رفقاءِ سفر کے ساتھ	۱۴۰
رفقاءِ کار اور ماتحتوں کے ساتھ	۱۴۵
دوستوں کے ساتھ	۱۴۹
مخالفین کے ساتھ	۱۵۴
رؤساء ملک کے ساتھ	۱۵۶
رفقاء جیل کے ساتھ	۱۵۸
اساتذہ کرام کے ساتھ	۱۶۰
طلباء عزیز کے ساتھ	۱۶۲
ملفوظات فخر الاسلام	۱۶۶
علمی جواہر پارے	۱۶۸
حیات شہداء کی حیثیت	۱۷۱

عنوانات | صفحات

سیاسی ملفوظات

عنوانات | صفحات

عنوانات | صفحات

حالاتِ وفات

اور اس کے بعد

تعزیتی پیغامات اور غم آفریں تجاویز

عنوانات | صفحات

صفحات	عنوانات

صفحات	عنوانات

منظوم خراج عقیدت

باسمہ تعالیٰ

پیش لفظ

از حضرت مولانا سید احمد حبیب صاحب ہاشمی مدظلہ العالی ناظم عمومی
جمعیتہ علماء ہند و ممبر پارلیمنٹ ہند

فغاں کہ گشت نیوشندہ سخن خاموش
وگر چہ گونہ تسلّی کنم من ایں لب و گوش

انسانی تاریخ کے ہر دور میں ہزاروں افراد فضل و کمال — علم و عرفان، اخلاص و ایثار، عظمت و رفعت اور کامیابی و کامرانی کا نشان بنکر آسمانِ دنیا کے مطلع پر جلوہ گر ہوئے اور پھر قضا و قدر کی گہرائیوں میں ڈوب گئے۔
تاہم کچھ ہستیاں ایسی بھی ہیں جن کا وجود فنا کے دبیز پردوں میں روپوش ہو جانے کے بعد بھی انکی مجاہدانہ زندگی، علمی، عملی تفرد اور زہد و ورع تاریخ کے صفحات پر انمٹ نقوش اور لازوال یادگار بن گئی ہیں۔

فخرالملۃ والدین حضرت مولانا سید فخرالدین رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر جمعیۃ علماء ہند و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی ہیں جن کی ذات آج تک ہمارے لئے نشانِ اعتماد اور مشعل حیات بنی ہوئی ہے۔

حضرت مولانا قدس اللہ سرہ العزیز کی شخصیت گوناگوں خصوصیات کی حامل تھی ان کی زندگی کے تمام پہلو روشن تھے، تعلیم، تدریس، تقویٰ، طہارت، تفقہ، تدبر، علمی فکری بصیرت، سیاسی سوجھ بوجھ اور بالیدہ نظری کے تمام روشن خطوط، کتاب حیات کے کھلے اوراق پر اجاگر اور نمایاں تھے۔

جہاں وہ ایشیاء کی عظیم اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند کے مسند شیخ الحدیث کی زینت بن کر عرصہ تک تشنگان علوم و فنون کے دامن درس حدیث کے جواہر پاروں سے پر کرتے رہے وہیں اپنی پشت پر ملکی و ملی خدمات اور ایثار و قربانی کی بے مثال تاریخ رکھنے والی عظیم جماعت "جمعیۃ علماء ہند" کی کرسی صدارت پر کم و بیش چودہ سال تک جلوہ افروز رہ کر قوم و ملت کے پیچیدہ مسائل کی مشکل گرہیں اپنے ناخن تدبیر سے کھولتے رہے۔ ؏ داماں نگہہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار!

ملک کی آزادی کے بعد جب "دو قومی نظریہ" کی ہلاکت خیز منجدھار میں امت مسلمہ کی کشتیٔ تقدیر ہچکولے کھا رہی تھی، ہجرت کے مقدس نام پر انجام سے غافل مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد راہِ فرار اختیار کر رہی تھی، عجب انتشار تھا، تشتت تھا

افراتفری تھی؛ لوگوں کے قدم اکھڑے ہوئے تھے ہر طرف ایک عام بےچینی پھیلی ہوئی تھی

سیاسی مدبرین اور قوم و ملت کے عمائدین بہت بڑی کشمکش میں مبتلا تھے، فریب خوردہ مسلمانوں کے اکھڑے قدم جمانے ان کی جان و مال کے تحفظ کا یقین دلانے کیلئے ان کے سامنے کوئی کامیاب طریقۂ عمل موجود نہیں تھا وہ انتہائی بےبسی کے عالم میں ملک کے بگڑے ہوئے حالات پر حسرت کے آنسو بہا رہے تھے۔

ایسے نازک موڑ پر سرفروش اور کفن بردوش علماء کی ایک جماعت ہر قسم کی مخالفت کی پرواہ کئے بغیر آگ و خون کے اس ماحول میں کود پڑی، سہمے ہوئے مسلمانوں کی ہمت بندھائی انھیں جان و مال کے تحفظ کا یقین دلایا خوف و ہراس کا ماحول ختم کرایا، امن و سلامتی کی فضا قائم کرادی۔ ——— یقیناً یہ جماعت جمعیتہ علماء ہند کے اکابرین کی تھی جس کی ایک ممتاز شخصیت حضرت مولانا سید فخرالدین احمد علیہ الرحمتہ کی ذات گرامی بھی تھی

یہ مقدس ہستیاں جن کا عزم و استقلال پہاڑ جیسا تھا ——— حق گوئی اور بےباکی جن کی فطرت تھی، فسطائی ذہنیت اور رجعت پسندانہ طرز عمل کی کھل کر مخالفت کرنا، مسلم لیگ کے گمراہ کن پروپیگنڈوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنا جمہوری دستور العمل میں انھیں برابر کا حصہ دار بنانا، معاشی، اقتصادی

تعلیم و ملازمت، تجارت و زراعت غرضیکہ زندگی کے تمام شعبوں میں اُن کے لئے میدان ہموار کرنا اور ترقی کی راہیں کھولنا جن کا نصب العین تھا ــــــ اگر یہ حضرات بر وقت سرفروشانہ جد و جہد نہ کرتے تو آج ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہی ہوتی اور نہ جانے قوم و ملت کن مصائب سے دوچار ہوتی؟

موجودہ دور میں جب کہ ملک نا مساعد حالات سے گذر رہا ہے ــــ ہمیں فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ کی دینی و ملی قیادت اور سیاسی رہنمائی شدت سے یاد آرہی ہے۔

کسے خبر تھی کہ اتنی جلدی بزم شیخ الہند کی آخری شمع گل ہو جائے گی اور مسند درس و تدریس سے قرآن اور حدیث کا چھیڑ کر سالار کارواں اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے گا، ابھی ضرورت تھی کہ شیخ الہند حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کشمیری، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مفتی اعظمؒ، حضرت سحبان الہند اور حضرت مولانا مجاہد ملتؒ کے دور کی یہ آخری یادگار، ملک و ملت کی رہنمائی کے لئے ــــــــــــــ رہتی لیکن مشیت الٰہی کے سامنے کون دم مار سکتا ہے ؎

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

حضرت شیخ الہند رح، شیخ الاسلام، امام الہند مولانا آزاد صاحب اور مجاہد ملت رح کی دینی ملی خدمات اور سیاسی کارناموں کی تفصیل پر مشتمل بیشمار تالیفات زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں حضرت مولانا سید فخر الدین احمد رح کی رحلت کو تقریباً دو سال بیت گئے مگر اب تک ان کے حالات زندگی پر مستقل کوئی تصنیف منظر عام پر نہ آسکی تھی —

مجھے مسرت ہے کہ حضرت مرحوم کے آبائی وطن شہر ہاپوڑ کے ایک جواں سال عالم مفتی جمیل الرحمٰن رحمانی نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ان تمام حالات کو جو اب تک مختلف رسائل و جرائد کے صفحات پر بکھرے پڑے تھے انھیں یکجا کر کے ایک مستقل کتاب کی شکل دینے میں پہل کی ہے۔ خداوند کریم مؤلف کو ان کی محنت اور کدو کاوش کا صحیح اجر عطا فرمائے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خاندانی حالات، ایام تعلیم اور عہد طفولیت کے حالات سے تصنیف کا آغاز کیا گیا ہے، پھر علمی اور سیاسی زندگی کے تمام پہلوؤں پر انتہائی تفصیر حاصل بحث کی گئی ہے، جس سے مرحوم کی تمام تر علمی و عملی سرگرمیوں اور قومی ملی خدمات کی وضاحت ہو گئی ہے

کتاب کے اخیر حصہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وہ تمام علمی اور سیاسی ملفوظات اور بیانات جمع کر دیئے گئے ہیں۔ جسکی وجہ سے کتاب کی اہمیت دوبالا ہو گئی ہے اور انقلاب ۱۸۵۷ء۔ تحریک آزادی وطن —

تقسیم ملک کی ناگہانی آفت اور پچھلی ایک صدی سے بھی زیادہ مدت کے قومی و ملکی واقعات پر ایک مناسب تبصرہ آگیا ہے۔
میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کی کوششوں کو قبول فرمائے اور ملک کے تمام طبقوں میں اس کتاب کو عمومی مقبولیت کا درجہ حاصل ہو جائے۔

ع ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

عاجز سید احمد ہاشمی

۱۰ر فروری ۱۹۷۴ء مطابق ۱۸ محرم الحرام ۱۳۹۴ھ
ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند

پیش لفظ تصنیف

أحبُّ الصالحين ولستُ منهم
لعلّ الله يرزقني صلاحا

دارالعلوم سے فراغت پانے کے ایک سال بعد میرے دل میں یہ شوق پیدا ہوا کہ اساتذہ کرام کی نصائح قلمبند کرلی جائیں اور زیادہ مناسب ہو کہ ناصح خود ہی قلم طرازی کرے تاکہ تحریر کی ظاہری آراستگی باطنی اثرات کو مزین کرنے کا سبب بن جائے چنانچہ میں نے اس شوق کو عملی جامہ پہنایا اور متعلقہ اساتذہ سے نصائح حاصل کرنے کے بعد اراکین شوریٰ کی جانب رخ کیا — ان دنوں مجلس شوریٰ کا اجلاس ہو رہا تھا میں نے یکے بعد دیگرے جملہ اراکین کی خدمت میں پہونچکر اکتساب فیض کیا سب سے آخر میں ملک و ملت کی مقتدر شخصیت حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی کی خدمت میں پہونچا انھوں نے میرا عریضہ سنکر مسکراتے ہوئے عربی کا یہ شعر میری کاپی پر لکھدیا اور دعا دیتے ہوئے مجھے رخصت کردیا

میرا مدعا اگرچہ تکمیل کو پہونچ چکا تھا مگر اس شعر کے ما لہٗ وما علیہ نے مجھے اپنی حقیقت سمجھنے اور ولولہ عزائم پیدا کرنے پر مجبور کردیا اور یہ احساس میرے ذہن و دماغ میں کچھ اس درجہ راسخ ہو گیا کہ

اپریل ۱۹۸۵ء میں جب میرے احباب نے فخر الاسلام حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ
کے حالات زندگی جمع کرنے کے لئے مجھ پر زور دیا تو میں نے اپنے کو
نااہل تصور کر کے خدائے بزرگ و برتر سے اس کار اہم کے لئے توفیق
و اعانت طلب کی

چنانچہ اس قادر مطلق نے میری ڈھارس بندھائی اور میرے لئے
اس کام میں سہولت و آسانی کے بیشمار دروازے کھول دیئے مجھے اس
موقع پر دار العلوم دیوبند کا چار سالہ دور طالب علمی بھی یاد
آگیا جس میں مجھے حضرت مرحوم کے ارشادات جمع کرنے کی سعادت
حاصل ہوئی ۔

علاوہ ازیں حضرت مرحوم کے آبائی وطن سے میرا تعلق اور مستقل
رہائش خاندانی حالات جمع کرنے میں میری معاون ثابت ہوئی
حضرت فخر الاسلام کے چچا خاندانی اکابر ______ کے
ذریعہ بہت سے مستند تاریخی حقائق سامنے آئے نیز حضرت
کی وفات پر مختلف اخبارات و جرائد میں شائع ہونے والے
تعزیتی مضامین بھی میرے لئے مشعل راہ ثابت ہوئے۔

خدا کا شکر ہے کہ میں نے ان تمام ماخذوں کی روشنی میں
بہت جلد حضرت فخر الاسلام کی سوانح مکمل کرنے میں
اس وقت کامیابی حاصل کر لی جب کہ ان کے حالات زندگی کے
آسمان پر کوئی دوسرا ستارہ نمودار نہیں ہوا تھا ۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

کتاب مکمل کرنے کے بعد میری خواہش ہوئی کہ اس کتاب کا مقدمہ کسی ایسی مقتدر ہستی سے لکھوایا جائے جو علم و مذہب میں کمال رکھنے کے ساتھ میدان سیاست کا بھی شہسوار ہو ملک کے تمام حلقوں میں اس کی عظمت اور قدر و منزلت یکساں ہو اور حضرت فخر الاسلام کی محبوب تر بن جماعت جمعیۃ علماء ہند سے اس کی وابستگی اور وارفتگی پورے طور پر نمایاں ہو

ان لاتعداد خصوصیات کی حامل صرف ایک شخصیت میری نظر میں آئی وہ شخصیت تھی —— حضرت مولانا سید احمد صاحب ہاشمی مدظلہم العالی کی جن کا تعلق جمعیۃ علماء ہند کی اس مسندِ نظامت عظمیٰ سے قائم ہے جس پر ابوالمحاسن حضرت مولانا سجاد صاحب بہاری سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب —— حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب ——

حضرت مولانا عبدالاول صاحب قاسمی حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب اور جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی جیسے جانباز مجاہد فائز رہ کر سرگرم عمل رہے اور قوم و ملت کے لئے ایثار و قربانی کے بیشمار نمونے چھوڑ گئے ——

حضرت موصوف نے میری خواہش کو پرہ قعت نظروں سے دیکھا اور اپنے پرمغز مقدمہ سے میری حقیر تالیف میں جان ڈال کر کتاب کے نقش و نگار کی تزئین کو دوبالا کر دیا مقدمہ ایسے انداز سے ترتیب دیا گیا ہے کہ حضرت فخرالاسلام کی زندگی کے اجمالی حالات کے تذکرہ کے ساتھ ان کا نصب العین اور سیاسی نقطۂ نظر بھی واضح ہو جاتا ہے جمعیۃ علماء ہند کی خدمات اور اس کے تابناک ماضی پر ہلکی سی جھلک پڑ جاتی ہے مقدمہ کے بعد کتاب کا مطالعہ کر کے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا مقدمہ اجمال ہے اور اس اجمال کی تفصیل پوری کتاب میں کی گئی ہے۔

کتاب کے آخر میں تعزیتی پیغامات کا باب بھی ہے جس میں مختلف وزراء ممبران پارلیمنٹ اور ملک و قوم کی مقتدر شخصیتوں کے تعزیتی تاثرات پیش کئے گئے ہیں۔

ان تاثرات کو بذریعہ مراسلت یا بذریعہ ملاقات حاصل کیا گیا ہے اخبار الجمعیۃ سے بھی بعض پیغامات نقل کئے ہیں۔

غرضیکہ ہر طرح اور ہر پہلو سے کتاب کو مفید اور کارآمد بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

خدائے تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ کتاب حضرت فخر الاسلام کی حیات مبارکہ کا عظیم شاہکار اور علماء ہند کی قربانیوں کے جائزہ پر مستقل انسائیکلو پیڈیا ہونے کی بنا پر مسلمانوں کی فلاح و ترقی کا ذریعہ بنے اور تمام علمی دینی حلقوں میں اس کو مقبولیت عام حاصل ہو جائے — آمین

راقم الحروف جمیل الرحمٰن رحمانی
استاذ ادب جامعہ رحمانیہ عربیہ و ناظم
جمعیۃ علماء پیشہر پالپور. یوپی
۳۰ محرم الحرام ۱۳۹۴ھ
۱۲ فروری ۱۹۷۴ء

فخر المحدثین

فخر ملت فخر دیں فخر وطن
جس کی فرقت باعث کرب و محن
جس پہ سارا ملک نازاں تھا جمیل
اٹھ گیا افسوس وہ شیخ زمن

آغاز کائنات سے اب تک ایسے ہزار ہا انسان عالم وجود میں رونق افروز ہوئے جو اپنی ذات وصفات اور کمالاتِ ظاہری اور باطنی کی رعنائیوں کی بنا پر شہرۂ آفاق حیثیت کے مالک بنے اپنے رعب و دبدبہ اور جاہ و احتشام سے تمام ساکنان خطۂ ارض کو لرزہ براندام رکھا لیکن جب سلاسلِ موت نے ان کو آجکڑا تو چار و ناچار داعی اجل کو لبیک کہہ کر اپنی ہستیِ ناپائیدار کے ساتھ اپنی طرۂ امتیاز شان شوکت و حشمت اور اپنے کمالات کا بستر بھی لپیٹ چلے گردش زمانہ نے نہ صرف ان کے وجود عنصری کو کالعدم قرار دیا

بلکہ ان کی صفات جمیلہ وکمالات عالیہ اور ان کی درخشندہ خدمات کا باب بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسدود کر دیا صرف انبیاء کرام کی زندگی اور ان کے دینی اور قومی کارنامے خلوص وللہیت سے سرشار ہونے کی بنا پر درخشاں وتاباں ہیں اور عالم کے فنا ہونے تک ان کی زندگی کا نصب العین اور لائحہ عمل اقوام عالم بالخصوص مسلمانوں کے عروج اور ارتقا کے لئے منبع انوار اور سرچشمۂ ہدایت کا کام انجام دیگا بنی آدم کا وہ طبقہ جو انبیاء کرام کے نقش قدم پر چلکر ان کے نصب کردہ خطوط پر گامزن کرنے کیلئے تمام انسانوں کو دعوت دیگا اور انبیاء کرام کے مشن کو ناکام بنانے کے لئے ہمہ وقت ساعی اور کوشاں رہ کر دیگر افراد کو بھی اس مشن سے متنفر اور گریزاں کرنا اپنا بنیادی فریضہ سمجھے گا وہ بھی اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ کی روشنی میں اسی خصوصیت اور فضیلت کا مستحق شمار کیا جائے گا۔

چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیارے صحابہؓ کے بعد علماء امت نے دین کو سرسبز وشاداب رکھنے اور اس کو بام عروج پر پہونچانے کیلئے لازوال خدمات انجام دیں اور ہر زمانہ میں حسب ضرورت قربانیاں پیش کیں حفاظت قرآن اور تدوین حدیث کے علاوہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے لاتعداد مسائل کا استنباط علوم قرآنی کی ترویج واشاعت فنون اسلامی کا فروغ کلمۃ اللہ کا اعلاء خصوصیت اسلام کا بقاء اور دینی رجحانات کا احیاء علماء ملت کی بیش بہا قربانیوں اور

انکی خدمات کا زریں باب ہے ہندوستان کی تاریخ میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے خاندان کے بعد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حضرت مولنا رشید احمد گنگوہیؒ حضرت مولنا قاسم نانوتویؒ شیخ الہند حضرت مولنا محمود الحسنؒ حضرت مولنا سید حسین احمد مدنیؒ مفتی اعظم حضرت مولنا کفایت اللہؒ سحبان الہند حضرت مولنا احمد سعیدؒ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مجاہد ملت مولنا حفظ الرحمن علیہم الرحمۃ کے دینی ملی اور سیاسی کارنامے مہر نیم روز کی طرح آج بھی آشکارا ہیں ہندوستان کی تاریخ انقلاب میں مجاہدین حریت کی آخری کڑی فخر الاسلام مولنا فخر الدین نور اللہ مرقدہٗ پر ختم ہو جاتی ہے حضرت فخر الاسلام نے ابتداء آفرینش سے تادم حیات دینی و علمی کارناموں کے علاوہ برادران وطن کے لئے سرفروشانہ خدمات انجام دی ہیں فخر الاسلام کی طالبعلمانہ زندگی، دور دار العلوم، مدرسہ شاہی مراد باد میں شیخ الحدیث و مفتی اعظم کی حیثیت سے تقرر، تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا، خلافت کمیٹی اور بعد ازاں جمیعۃ العلماء سے وابستگی، اعلان حریت کے باعث قید و بند کی زندگی، جیل کے دوران قیام ہزار ہا صعوبتوں سے گذرنا، حضرت شیخ الاسلامؒ کے بعد دار العلوم دیوبند میں بحیثیت شیخ الحدیث تشریف لانا اور صدر نشینی قبول کرنا، جمعیۃ العلماء ہند کی صدارت اور مسلمانوں کے ملی وسیاسی مسائل سے دلچسپی ناقابل انکار لائق صد رشک اور قابل صد افتخار حقائق ہیں ان گوناگوں حقائق کے ساتھ ایک

امتیازی حقیقت جو آپ کے زندگی کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہی وہ یہ ہے کہ آپ دنیا و مافیہا سے کلی طور پر بیزار رہکر خلوت گزینی اور گوشہ نشینی میں پر سکوت خدمات انجام دینے کے عادی تھے آپ کی زندگی اگرچہ ہزار ہا رعنائیوں سے آراستہ و پیراستہ تھی لیکن آپ کا ظاہر ہمیشہ ریاکاری تصنع پسندی اور نمود شعاری سے عاری رہا آپ کا شعار سادگی آپ کا اصول حقیقت پسندی اور آپ کا مزاج صاف گوئی سے متصف تھا انھیں لامتناہی کمالات کی بنا پر آپ مقبول خاص و عام رہے علماء کے طبقہ میں آپ کو غیر معمولی اہمیت سے نوازا جاتا تھا جملہ علوم و فنون کے آپ امام سمجھے جاتے تھے لیکن کل نفس ذائقۃ الموت ۔ ایسا کلیہ ہے جس سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہو سکتا اس کلیہ نے جہاں دوسرے ماہرین علم اور ارباب فضل و کمال کو دار الفناء سے دار البقا کی جانب منتقل کر دیا وہیں اس سلسلہ کی آخری کڑی امام المنتظمین رئیس المتوارعین فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین قدس سرہٗ کو بھی سپرد آغوش رحمت کر کے جملہ طالبان فضل و کمال کو تشنہ اور غیر مطمئن کر دیا ہے

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقاء دوام لا ساقی

فضیلتِ نسب

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

تقریباً ہر طبقہ فکر اور مکتبۂ خیال کے افراد نوع انسانی میں تفاوت اور امتیاز کے قائل رہے ہیں بالخصوص خاتم النبیین کی بعثت سے قبل مختلف قسم کے نسلی لسانی وطنی اور سماجی امتیازات اقوام عالم کے مابین فروغ پا رہے تھے محسن انسانیت نے اپنی تعلیمات سے جہاں ان فروق و امتیازات کو لا معنی قرار دیا وہیں حسبی نسبی اور خاندانی اونچ نیچ کے اعتبارات کو بھی انسانی ترقی کے لئے سم قاتل سے تعبیر کیا۔

دنیاوی اعتبار سے تمام بنی آدم کے مابین مساوات قائم کر کے اخروی اعتبار سے توحید پرستوں اور خدا بیزاروں کے درمیان فرق و تفاوت کی ایک آہنی دیوار کھڑی کر دی تاکہ حق و باطل کا التباس اور امتزاج قیامت تک کے لئے ناممکن اور ممتنع ہو جائے چنانچہ اسلام نے دنیاوی معاملات مثلاً حسن سلوک اور حسن معاشرت میں سب کو مساوی قرار دیا ہے تاہم خدا پرستی کو الحاد پسندی سے ہزار ہا درجہ فوقیت دی ہے اور مقصد حیات کی روشنی میں اہل اسلام کو

اشرف المخلوقات کہلانے کا مستحق اور اہل کفر کو اِنْ ھُمْ اِلَّا کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ کہکر جانوروں سے زیادہ بدتر کمتر اور ذلیل ثابت کیا ہے

لیکن اہل اسلام میں باہمی تفاوت اور بہتر و کمتر کے تصور کو ختم کرنے کے لئے تمام نسلی لسانی اور خاندانی فرق کو بالائے طاق رکھنے پر زور دیا گیا ہے عزت و مکرمت اور شرافت و بزرگی کا انحصار حسب و نسب پر نہیں رکھا گیا بلکہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ فرما کر افضلیت اور برتری کا دار و مدار زہد و تقویٰ اور خشیت الٰہی پر رکھا گیا ہے جس انسان کا رشتہ خدا سے جس قدر مستحکم اور مضبوط ہوگا اسی قدر اس کو دیگر انسانوں پر فوقیت حاصل ہوگی اور جتنا خدا سے بعد اور بیزاری اختیار کرے گا اتنا ہی وہ فِیْ شِقَاقٍ بَعِیْدٍ سے متصف ہو کر ذلت و حقارت سے ہمکنار ہو جائے گا اور اسی اعتبار کے تحت وہ خاندان بھی فوقیت اور مکرمت کا اہل شمار کیا جائے گا جس میں خدا پرستی ایمان شعاری اور مذہب شناسی موجود ہو اس کے آباء و اجداد زہد و تقویٰ اور معرفت ربانی کے اعلیٰ مراحل پر گامزن رہے ہوں محبت خدا اور عشق رسول سے خاندان کا ہر فرد سرشار ہو اور احکام خداوندی پر عمل پیرا اور منہیات سے کلی طور پر مجتنب اور محترز ہو عبادات مجاہدات اور ریاضیات سے اس کی زندگی آراستہ ہو اور لہو و لعب اور خرافات و خرعبلات سے

وہ پورے طور پر متنفر اور برگشتہ ہو خاندان سادات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھتا ہے اور شریعت میں نسبت کو بھی ایک خاص اہمیت حاصل ہے بشرطیکہ وہ نسبت صحیح نسبت کہلانے کی مستحق ہو اور منسوب کے اندر کم وبیش وہی خصوصیات پائی جائیں جن سے منسوب الیہ متصف تھا
ہمارے فخر الاسلام حضرت شیخ الحدیثؒ نہ صرف خاندان سادات سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ کم واسطوں کے بعد آپ کا سلسلہ نسب شہید اعظم امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہونچ جاتا ہے

سلسلۂ نسب

چنانچہ آپ کے شجرہ سے اخذ کردہ سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ حضرت مولنا سید فخر الدین علیہ الرحمہ[۱] بن سید عالم[۲] بن سید عبد الکریم[۳] بن سید مروان[۴] بن سید محمد[۵] خضر بن سید عباد اللہ[۶] بن سید عبد اللہ[۷] بن سید محمد[۸] عالم بن سید عبد الکریم[۹] بن سید سید احمد[۱۰] بن سید عبد المجید[۱۱] بن سید قاضی عبد الغنی[۱۲] بن سید مطہر[۱۳] بن طاہر[۱۴] بن سید سلطان الدین[۱۵] بن سید معین الدین[۱۶] بن سید حسن[۱۷] بن سید منتخب الدین[۱۸] بن سید سید احمد[۱۹] بن سید علی[۲۰] بن سید محمد[۲۱] بن سید ابو القاسم[۲۲] بن سید علاء الدین[۲۳] بن سید شہاب الدین[۲۴] بن سید طاہر[۲۵] بن سید نعمت اللہ[۲۶] بن سید فضل اللہ[۲۷] بن سید عباد اللہ[۲۸]

بن سید صادق[۲۹] بن سید محمد یا المامون[۳۰] بن سید جعفر صادق[۳۱] بن سید محمد[۳۲] باقر بن سید امام زین العابدین[۳۳] بن سید امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

مذکورہ بالا شجرۂ مبارکہ سے بدیہی طور پر معلوم ہو گیا کہ حضرت فخر الاسلام صرف بتیس[۳۲] واسطوں سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہونچ جاتے ہیں جو آپ کی طرۂ امتیاز خاندانی خصوصیت کی غمازی کرتا ہے۔

خصوصیت اسم

حضرت فخر الاسلام کی شخصیت جہاں دیگر لامتناہی اور غیر محدود کمالات و خصوصیات سے آراستہ ہے وہیں آپ کی اسمی خصوصیت بھی ایک خاص امتیازی شان رکھتی ہے آپ کا اسم مبارک فخر الدین تھا لیکن والد علیہ الرحمۃ نے کچھ اکابر کے ایماء پر فخر الدین کے ساتھ احمد بھی لگا دیا اس طرح آپ کا پورا نام فخر الدین احمد ہو گیا آپ اکثر فرماتے تھے کہ میرے والد نے میرے اس پورے نام کو شروع سے ہی ایسا مشہور کیا تھا کہ احمد میرے نام کا جز و لاینفک بن گیا اور آج تک لوگوں کی زبان پر پورا نام جاری رہتا ہے یہ میرے والد علیہ الرحمۃ کی قلبی خواہش کا ثمرہ ہے خدائے تعالیٰ نے ان کی نیک تمناؤں کو میرے حق میں شرف قبولیت سے نوازا بنا بریں مجھے بھی اپنے نام کے ساتھ احمد کی تعلیق عمدہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ حدیث پاک

میں پیغمبر علیہ السلام نے مسلمانوں کے اسماء کا تعلق خدا اور رسول سے وابستہ کرنے پر زور دیا ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا من ولد له ثلثة فلم يسم احدهم محمدا فقد جهل يعني خدا وند قدوس جس شخص کو تین فرزند عطا فرمائے اور وہ ان تینوں یا ان میں سے کسی ایک فرزند کا نام بھی محمد نہ رکھے تو اس نے بہ زبر دست نادانی کی اس سے معلوم ہوا کہ حضرت فخر الاسلامؒ کا نام مبارک بھی اتباع رسول کا آئینہ دار ہے اور یہ امر عند العلماء والعقلاء مسلم ہے کہ اسم کا اثر مسمٰی پر لابدی اور لازمی طریقے پر پڑتا ہے بنابریں احادیث میں بہتر نام رکھنے پر زور دیا گیا ہے تاکہ برے نام کے اثرات وخواص بھی مرتب نہ ہونے پائیں اور سوء اسم کی بنا پر احساس کمتری پیدا نہ ہو سکے

اور اسکے اثرات

یہی وجہ ہے کہ آپ کی زندگی از اوّل تا آخر سرور کائنات علیہ السلام کی اتباع اور پیروری میں گذری رسول پاکؐ کی احادیث ہی آپ کے لئے شب روز کا شغل بن گئیں رسول اکرمؐ کے اقوال وافعال اور پیارے طریقوں اور سنتوں سے آپ کو والہانہ عشق پیدا ہو گیا آغاز شباب سے لیکر اختتام حیات تک حضور اکرمؐ کی تعلیمات کی تدریس اور ترویج واشاعت آپ کی غذا بنی رہی اور اس انہماکِ حدیث اور عشقِ رسول کے سبب آپ نے زندگی

کے آلام و مصائب کو مسکرا کر گذار دیا شخصی رعنائیوں کے باوجود آپ نے وقار اور عزت و رفعت کو سادگی اور گمنامی کے قالب سے بدل دیا جو بارگاہ ایزدی میں قبولیت اور کامیابی کی روشن ترین دلیل ہے

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

وطنی خصوصیت

آپ کا آبائی وطن پالپوڑ تھا جو ہمیشہ مختلف علوم و فنون کا گہوارہ رہا جہاں کی سرزمین اپنے بطن سے ماہرین علم و فن کو جنتی رہی جہاں ہر صدی میں اہل اللہ کا تولد اور ان کا قیام رہا جہاں کے معابد اور خانقاہیں اللہ کے ذکر سے لبریز اور مدارس و مکاتب قال اللہ قال الرسول سے سرشار رہے جہاں کی ماؤں نے جہاد حریت کے سپوت پیدا کئے جہاں سے توحید پرستی کے نونہال اور مذہب اسلام کے جانثار رونما ہوئے جہاں کی سرزمین اگر ایک طرف بابائے اردو مولانا عبدالحق صاحب جیسے ادیب اور منبع فضل و کمال اور مفتی امیر احمد صریر جیسے عظیم شاعر

صاحب فکر اور صاحبِ قلم اشخاص کو جنم دینے پر نازاں ہے
تو دوسری طرف پیرانِ طریقت حضرت سید قطب، مولنا عبد الحی،
مولنا محمد علی اور مولنا منظفر علی کی علمی ادبی ملی اور روحانی
خدمات بنا بر اس کو بجا طور پر فخر حاصل ہے اسی طرح حکیم
سید عالم علیہ الرحمتہ اور ان کے نورِ نظر حضرت مولنا
فخر الدین احمد صاحبؒ کی لائق قدر اور قابل رشک شخصیت
بھی ساکنان ہاپوڑ کے لئے شرف امتیاز کا باعث ہے
مولنا کی نہ صرف ابتدائی نشو و نما ہاپوڑ سے وابستہ ہے
بلکہ آپ کی تعلیم کی ابتدا اور دینی خدمات کا آغاز بھی ہاپوڑ
سے تعلق رکھتا ہے آپ نے قیامِ دہلی بعدہٗ سکونت دیوبند
اور وہاں سے فراغتِ تعلیم اور چند سالہ تدریس کے بعد
مراد آباد ہجرت کے باوجود ہاپوڑ سے اپنے حسبی روابط کو
برقرار رکھکر اہل شہر کو اپنے علمی و روحانی فیوض و برکات
سے زندگی کے آخیر لمحات تک مستفید و مستفیض ہونے کا
موقع فراہم کیا حضرت خود بارہا فرماتے تھے کہ ہاپوڑ ایک
وقت مرکز علم و روحانیت تھا اکابر ملت اور بزرگان دین وہاں
پیدا ہوتے رہے میرا خاندان بھی وہیں آباد تھا لیکن میرا
قلبی رحجان خاندانی روابط کی بنا پر اس طرف مرکوز نہ تھا
بلکہ اولیا اللہ کے روحانی اثرات مجھے اس کی جانب کھینچتے ہیں
حضرت کے اس تعلق عمیق کا نتیجہ یہ تھا کہ اہل شہر بھی آپ سے
والہانہ عقیدت رکھتے تھے آپ جب کبھی ہاپوڑ تشریف لاتے

تو لوگوں کا ہجوم لگ جاتا تھا اور ہر ایک آپ سے ملنے کے لئے
ساعی ہوتا حتیٰ کی جو لوگ آپ سے سیاسی یا نظریاتی اختلاف
کی بنا پر پرخاش رکھتے وہ بھی آپ پر پروانہ وار گرتے
تھے اور تمام اختلافات بالائے طاق رکھکر عقیدت
مندانہ نہج پر آپ سے گفتگو کرتے ورنہ عام طور پر لوگ
اپنے ہموطن عالم سے للٰہی بیر رکھنے کے عادی ہیں عقیدت
یا احترام کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن حضرت فخر الاسلام
پر ان کا ہر ہموطن جان قربان کرنے کے لئے تیار رہتا تھا
جو اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ فرشتہ صفت ہونے کی بنا پر
ہر خاص و عام سے مخلصانہ و ہمدردانہ برتاؤ روا رکھتے تھے
جس کے نتیجہ میں ہر شخص کا قلبی میلان آپ کی جانب
لابدی طور پر مرکوز رہتا تھا اور کسی مکتبۂ فکر کے فرد کو
آپ سے کسی نوعیت کی شکایت پیدا نہ ہو پاتی تھی اسی لئے
آپ کو ہر طبقہ میں بے پناہ مقبولیت حاصل تھی نیز آپ کا
ہر صاحب وطن آپ کا جانثار شیدائی اور آپ کی خصوصیات
کا معترف اور قدر داں بننے پر مجبور تھا

خاندانی رعنائیاں

شجرۂ نسب سے ظاہر ہے کہ آپ بتیس واسطوں کے
بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہونچتے ہیں
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی خاندانی رعنائیوں کا
مظہر نواسۂ رسول علیہ السلام ہے وہیں سے اس

حسین اور تاریخی شجرہ کا آغاز ہوتا ہے پھر حضرت امام زین العابدین اور سید محمد باقر سے نسبت اُس خطۂ ارض سے الحاق کی غمازی کرتی ہے جو سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا مرکز رہا جہاں قرآن نازل ہوا اور جہاں سے دین اسلام کے متوالے دینی شعاعوں اجاگر کرنے کے لئے اطراف عالم کے لئے قدم رنجاں ہوئے بعدہٗ سولہویں اور سترہویں کڑی پر سید سوندن اور سید جمن کا نام اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ خاندان عرب ممالک سے ہجرت کرکے فارسی ممالک میں قیام پذیر رہا اور وہیں اقامت دین اور تبلیغ شرع متین کے فرائض انجام دیتا رہا حضرت مرحوم کے خاندانی بزرگ حافظ سید ابوہریرہ صاحب سے تحقیق و تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ دور یزید سے چونکہ حسینی خاندان پر زمین عرب تنگ ہوتی جارہی تھی اور انھیں صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑرہا تھا اسلئے وہاں سے حسینی خاندان ہجرت کرکے رفتہ رفتہ دیگر ممالک میں منتقل ہوتا گیا غالباً خداوند قدوس کی مصلحت یہ رہی ہو کہ یہ مشرف اور مکرم خاندان چار سو پھیل کر اشاعت اسلام کا فریضہ انجام دے حضرت حافظ صاحب نے فرمایا شاید حضرت سید قاسم یا سید علاء الدین کے زمانہ میں ہی ہمارا خاندان عرب سے ہجرت کرچکا تھا اور غالباً دور مہدی میں وہ فارسی ممالک

کی جانب منتقل ہو گیا تھا وہاں ہمارے اکابر نے تحریری اور تقریری طریقہ پر اشاعت اسلام کے لئے عظیم جد وجہد کی چونکہ فارسی ممالک میں شعر گوئی کافی مروج تھی اسلئے سید جمن وغیرہ فارسی اشعار کے ذریعہ عوام کو دعوت اسلام پیش کرنے لگے جس کے باعث لوگ جوق درجوق اسلام کے شیدائی بننے لگے اور ہر طرف فارسی اشعار میں اسلام کا پرچار ہونے لگا

حضرت حافظ صاحب فرمایا کہ ہمارا اصل وطن شہر ہرات ہے وہاں اب بھی ہمارے خاندانی افراد بکثرت موجود ہیں لیکن نہ ہم ان سے واقف ہیں اور نہ وہ ہم سے واقف تاہم خاندانی روایط سے معلوم ہوتا کہ ہمارے قریبی لوگ ابھی وہاں موجود ہیں ایک معمر ترین بزرگ ہمارے والد صاحب کے پاس تشریف لائے تھے جو شہر ہرات کے رہنے والے تھے انھوں نے اپنے خاندانی تعلقات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے مکانات کھنڈرات کی شکل میں اب تک وہاں موجود ہیں تعجب ہوتا تھا کہ اسقدر طویل زمانے کے باوجود مکانات کے آثار کا باقی رہنا کس طرح ممکن ہے لیکن اس کو بھی اگر بزرگوں کی کرامات سے شمار کیا جائے تو کوئی مستبعد نہیں

حافظ صاحب مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا کہ جب فارس وغیرہ پر دیگر اقوام کا غلبہ ہوا اور مسلمانوں کے لئے

عرصۂ حیات تنگ کرنے کی کوشش کی گئی تو یہ خاندان اپنے
تمام افراد کے ساتھ ہندوستان کی جانب متوجہ ہوا
اس وقت تک ہندوستان میں شاہجہانی دور تھا مہاجر
کی حیثیت سے کچھ عرصہ لاہور اور اس کے بعد ملتان قیام کیا
بعدہٗ دہلی پہونچکر مستقل سکونت اختیار کر لی دہلی اس وقت
اہل اللہ اور اہل علم کا مرکز تھا اسی زمانہ میں شاہجہانی جامع
مسجد تعمیر ہو رہی تھی شاہجہاں کو جس طرح اسلامی عمارتیں
بنوانے کا شوق تھا اسی طرح وہ عمارتوں پر کتبہ وغیرہ
لگوانے کا شوق بھی رکھتا تھا شاہجہانی جامع مسجد پر جو
فارسی اشعار و مقولات کے کتبے نصب ہیں وہ سب اسی
خاندان کی کوششوں کا نتیجہ ہیں شاہجہاں نے مسجد نماز
عبادات اور اسلامی روایات پر مشتمل اشعار و مقولات
کے لئے اعلان عام کیا تھا کہ عام شعرا اور اہل ادب
اپنی تخلیقات دربار شاہی میں معینہ تاریخ تک پیش کریں
تاکہ ارباب سلطنت انتخاب کر سکیں جس کی تخلیق ہمارے
معیار پر اترے گی اس کو داد و دہش سے نوازا جائے گا
چنانچہ اس موقعہ پر اس خاندان کی تخلیقات کو مستحسن
قرار دیا گیا اور عظیم انعام سے بہرہ ور کیا گیا اور دیگر
خصوصی مواقع پر بھی شاہجہاں اس خاندان کا بہت لحاظ
رکھتا تھا دوسرے ملکوں کے سربراہ جب ہندوستان
آتے تو شاہجہاں اس خاندان کو ضرور دعوت دیتا اور

سربراہان مملکت کے شایان شان کلام سنکر بہت محظوظ ہوتا یہ خوش نصیب خاندان نہ صرف شاہجہاں کے انعام وخلعت سے بہرہ یاب ہوتا بلکہ بیرونی سربراہان مملکت سے بھی داد وتحسین کے علاوہ کثیر انعام پاتا یہی وجہ تھی کہ اس خاندان کا ہر فرد ملک اور بیرون ملک میں عظیم قدر ومنزلت حاصل کئے ہوئے تھا تا آنکہ ایران ترکی اور فارس وغیرہ کے حلقے بھی ان کو اپنے یہاں مدعو کرنے پر فخر محسوس کرتے تھے اور ان کے اشعار کو اپنے یہاں نمایاں مقامات پر نصب کرتے تھے

فخر الاسلام فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے یہاں کی عورتیں شاہی کھانے تیار کرنے میں بہت ماہر ہوتی تھیں کیونکہ ہمارے اجداد جب شاہی دسترخوانوں پر کھانا تناول کرتے تو اپنی ازواج سے ان کھانوں کی بہت تعریف و توصیف کرتے ہماری عورتوں کی بھی شاہانہ خاندان کی عورتوں میں آمد ورفت بکثرت رہتی تھی چنانچہ وہ ان سے عمدہ کھانے تیار کرنے کی تراکیب دریافت کرتیں اور پھر خود اسی نوعیت کے کھانے تیار کرتیں ہمارے اجداد ان عورتوں کی ذکاوت اور فطانت پر بہت تعجب کرتے اور ان کی تعریف کرنے پر مجبور ہوجاتے

شاہجہاں اور اس کے خاندان سے ان گہرے روابط کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے اس خاندان کے چند اکابر کو اپنا مشیر

اور مقرب بنالیا اور کچھ افراد کو ان کی اپنی خواہش کے تحت دہلی سے باہر تبلیغ دین و اشاعت اسلام کے لئے منتقل کر دیا اور ہر ایک کی رہائش کا معقول انتظام کیا اور علم دین کی ترویج کیلئے کثیر سرمایا عطا کیا۔

حضرت فخر الاسلامؒ کے دادا اور ان کے تایا نے اپنی رہائش اور خدمت دین کے لئے ہاپوڑ کا انتخاب کیا ہاپوڑ اگرچہ اس وقت دیہاتی شکل میں تھا لیکن اس کو ایک ریاست کی حیثیت حاصل تھی۔

وطن کی وجہ تسمیہ

اس ریاست کا سربراہ راجہ ہری سنگھ تھا اسلئے یہ ریاست ہری پور کے نام سے مشہور تھی اس ریاست کے تحت ساڑھے چار سو سے زائد دیہات تھے راجہ ہری سنگھ اس پورے علاقہ میں ایک دلیر اور جانباز کی حیثیت رکھتا تھا اس کا عدل و انصاف بھی بہت مشہور تھا جب شاہجہاں نے سیّد قطب اور ان کے تینوں بھائی سیّد فرید سیّد مرید سیّد عالم کو ہاپوڑ روانہ کیا تو ہری سنگھ نے بہترین طریقے سے ان کا خیر مقدم کیا اور کئی مہینہ سرکاری طور پر ضیافت کی شاہجہاں کی جانب سے اس خاندان کے لئے ہاپوڑ میں قلعہ نما مدرسہ تیار کیا گیا جو مدرسہ سادات سے موسوم تھا ہری سنگھ نے اپنی نگرانی میں اس کی تعمیر

کرائی اور اس خاندان کو زیادہ سے زیادہ پھلنے پھولنے کے اسباب فراہم کئے اس خاندان نے اس مدرسہ میں رہکر اشاعت اسلام کے لئے بہت قابل قدر اور گراں مایہ کارنامے انجام دیئے اس مدرسہ میں طلباء کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا ملک کے گوشہ گوشہ سے عندلیبان چمن محمدی پرواز کر کے پالوڑ کی طرف رخ کرنے لگے۔ اور اور اس کے چشمۂ رشد و ہدایت سے سیرابی حاصل کر کے ملک و بیرون ملک کو دعوت پرواز دینے لگے نوبت بانجارسید کہ بغداد عراق دمشق تاشقند ایران ترکی مصر شام لبنان اور بخارا کے تشنگان علم پالوڑ کی جانب قدم رنجہ ہو کر اپنی پیاسی امنگوں کو سیرابی بخشنے لگے شاہجہاں نے ابتداءً دس گاؤں اس مدرسہ کے نام کئے پھر حسب ضرورت اضافہ کرتا رہا بہادر شاہ ظفر کے زمانہ تک یہ مدرسہ ارتقائی منازل طے کرتا رہا خود بہادر شاہ ظفر بھی اس مدرسہ میں بار بار رونق افروز ہوا گنگا کی طرف سے جب وہ شکار کر کے لوٹتا تو اس مدرسہ کے شیش محل میں رات کے وقت قیام کرتا تھا بہادر شاہ ظفر نے کئی بار اس مدرسہ کو شاہی خزانہ سے کثیر امداد عطا کی بہت سی جاگیریں بھی اس کے نام کر دیں۔

خاندان پر ساعت ابتلاء

لیکن ۱۸۵۷ء کے غدر میں انگریز نے اس قصبہ کو بھی ہدف ظلم وستم بنایا ہری سنگھ کا بیٹا اس وقت یہاں کا راجہ تھا انگریز نے اس کو قتل کر ڈالا اور بہت سے خاندان کو گرفتار کر کے جلا وطن کر دیا مدرسہ سادات کے اکثر طلباء راہ فرار اختیار کر چکے تھے کچھ کو انگریز نے پکڑا اور تہہ تیغ کر دیا بعض کو گرفتار کیا مدرسہ سادات سے اسلامی جھنڈا اتار کر پیروں تلے روندا اور جلا ڈالا اس کی تمام جائیداد پر قبضہ کر لیا گاؤں ضبط کر لئے جاگیریں نیلام کر دیں اور مدرسہ کے گنبد پر اپنا جیک لہرا کر گھوڑے اندر باندھ دیئے خاندان سادات اور دیگر جانباز اور دلاور قبیلوں نے اگرچہ مزاحمت بھی کی لیکن ایک بیرونی منظم طاقت کا جو جدید ہتھیاروں سے لیس تھی کہاں تک مقابلہ کیا جا سکتا تھا انگریز نے نہ صرف مدرسہ کے نام ونشان اور اس کی حیثیت کو بدل ڈالا بلکہ اس ریاست کے تحت رہنے والے دیہات کو بحق سرکار ضبط کر کے اس کو ایک قصبہ کی حیثیت دیدی اور اس کا نام ہری پور کے بجائے ہاپوڑ رکھدیا۔

ہمارا خاندان اس وقت سے انتشار کا شکار بن گیا اگرچہ مدرسہ اور اپنی جائیداد کو حضرتؒ کے والد مرحوم نے قیمت دیکر

دوبارہ خرید لیا اور اپنے سلسلہ کو قائم رکھا لیکن وہ شان وشوکت اور جاہ وحشمت نہ رہی تاہم اس قدر عظیم ابتلاء کے بعد بھی اس خاندان کا ثابت قدم رہنا اور تعلیم وتبلیغ کے سلسلہ کو جاری رکھنا ہمت واستقلال کی غمازی کرتا ہے بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس خاندان نے اپنے کردار اور جدوجہد سے ثابت کر دیا کہ اسلامی روح ظاہری ساز وسامان کی محتاج نہیں ہے وہ بدون اسباب وسامان بھی اپنی امنٹ اور لازوال روایات کو برقرار رکھتی ہے اگر اس کا ایک راستہ بند کیا جاتا ہے تو یہ ملت اپنے لیے دیگر طرق ہموار کر کے مقاصد زندگی کو حاصل کرنے میں ساعی اور کوشاں رہتی ہے۔

گفتہ گر شد ز کفم شکر کہ نا گفتہ بجا است
از دو صد گنج یکے مشت گہر باختہ ام

خاندانی اکابر

اصل خاندانی شرف وفضل تو اسی سرچشمۂ کمالات ومنبع حیات سے وابستہ ہے جس پر سارا عالم قربان ہے لیکن مزید تخصیص وامتیاز کی شان اس وقت دوبالا ہو جاتی ہے جب خاندانی بزرگوں کے احوال کا تفصیلی تجزیہ

کیا جائے ہر بزرگ نے اپنے عرصۂ حیات میں اپنے علمی دینی کارناموں کی بنا پر معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل کیا سید جمن، سید سوندن، سید قطب اور فرید و مرید کے متعلق تو روشنی ڈالدی گئی ہے دیگر بزرگ بھی حکومت کے اونچے اونچے عہدوں پر فائز ہوتے تھے آپ کے خاندان میں سلسلہ قضاۃ بھی دراز رہا جو برٹش دورِ حکومت تک چلتا رہا آپ کے پردادا اور ان کے چچازاد بھائی مغلیہ دورِ حکومت میں قضاۃ کے عہدے پر فائز تھے آپ کے خالہ زاد بھائی انگریزی دور میں بھی بلوچستان کے علاقہ میں قاضی رہے عہدِ ظفر شاہ میں ان کو فوجی کمانڈر بھی بنایا گیا کیونکہ وہ مختلف صلاحیتوں اور قوتوں کے مالک تھے۔

آپ کے دادا منشی سید عبدالکریم صاحب پنجاب اور اجمیر کے تھانیدار رہے اتنے اہم عہدے سے منسلک رہنے کے باوجود نہایت عبادت گذار اور دیانتدار بزرگ تھے احکام شرعیہ کی پوری پابندی کرتے تھے کوتوالی اور عدالت کے جھگڑوں میں انہماک کے باوجود کبھی نماز باجماعت سے غافل نہ ہوتے تھے ہفتہ میں ایک بار حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے مزار پر جاتے اور ایصال ثواب کرتے ان کے مزار پر اکثر تہجد کی نماز پڑھتے اور درود کر خدا سے دعائیں مانگتے۔

حضرت فخر الاسلام کو بھی بارہا اپنے ساتھ لیجاتے اور

کئی کئی ماہ پنجاب اور اجمیر میں رکھتے خواجہ معین الدین چشتیؒ کے
مزار پر بھی ان کو لے جاتے اور ان کی صحت و درازیٔ عمر اور
علم و عمل کے ارتقا کیلئے دعا فرماتے ریٹائرڈ ہونے کے
بعد منشی سید عبدالکریم صاحب بالوڑ ہی تشریف لے آئے
اور یہاں مستقل سکونت اختیار کر کے گوشہ نشین ہو گئے
دنیا و مافیہا سے بے نیاز رہتے تھے اور ہمہ وقت ذکراللہ
کا شغل رکھتے تھے تہجد کے شروع سے ہی پابند تھے آخری عمر
میں تو اکثر و بیشتر ساری رات عبادت میں گذار دیتے تھے
صلوٰۃ تہجد سے فراغت پا کر شجرہ مشائخ پڑھتے اور خوب
روتے حضرت فخرالاسلامؒ کے والد اور دادا کا انتقال
ایک ہی سال میں ہوا دادا کے انتقال کے وقت والد مرحوم
کی عمر بیالیس ۴۲ سال تھی حضرت کے والد مرحوم کے والد اور
ان کے مابین بہت زیادہ محبت تھی دادا مرحوم سید عالم
صاحب سے بے پناہ الفت رکھتے تھے اور سید عالم بھی
منشی سید عبدالکریم صاحب سے غایت درجہ عشق رکھتے تھے
اکثر و بیشتر سفر میں بھی ساتھ رہتے تھے اسلئے منشی سید
عبدالکریم صاحب کی وفات حضرت فخرالاسلامؒ کے والد
کے لئے عظیم سانحہ بن گئی اور ضبط و تحمل کا دائرہ ٹوٹ گیا
جس کی وجہ سے حضرت کے والد بھی اسی سال چند دن
کے فاصلہ سے دارالبقا کو رحلت فرما گئے۔

حضرت حکیم سید عالم کی حذاقت

حضرت فخر الاسلامؒ کے والد سید عالم صاحب اپنے دور میں ممتاز عالم کی حیثیت رکھتے تھے آپ کی دقیقہ رسی بذلہ سنجی اور بلاغتِ نظری کی ہم عصر علماء قدردانی کرتے تھے آپ ایک عمدہ حافظ کی شان بھی رکھتے تھے ماہ رمضان میں دوران تراویح کلام پاک سناتے آپ کو جسطرح کلام پاک بہترین یاد تھا اسیطرح آپ اس کو سلامت روانی اور ادائیگی حروف کے ساتھ مزین کرنے میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے آپ نے قرآن کریم اکثر مسجد مدرسہ سادات میں ہی سنایا آپ کے پیچھے تراویح پڑھنے کیلئے دور دراز سے لوگ آیا کرتے تھے شہر کی تمام مساجد سے زیادہ افراد اسی مسجد میں تراویح پڑھتے تھے رمضان المبارک کے علاوہ دیگر مہینوں میں بھی آپ قرآن پاک کا ورد بکثرت رکھا کرتے تھے۔

باایں ہمہ آپ کا ایک خاص میدان فن طب تھا طب اور حکمت کے رموز واسرار آپ پر عیاں تھے دوسرے بڑے بڑے حکیم آپ سے فن طب کے بارے میں استفادہ کیا کرتے تھے آپ بہت سے کیمائی نسخوں سے بھی واقف تھے

آپ نے اجمیر سے قریب دو بیا نگر،، میں ملازمت اختیار کر لی تھی جس کے عوض آپ کو ساٹھ روپیہ ماہوار ملتے تھے لیکن مطب کی کثیر مشغولیات، کی بنا پر آپ نے ملازمت کو خیر باد کہدیا اور پھر کچھ عرصہ بعد ہاپوڑ آکر مستقل مطب شروع کر دیا لیکن مطب سے آپ کا مقصود دنیا کمانا نہیں تھا بلکہ خدمت خلق کے پیش نظر آپ لوگوں کا علاج کرتے تھے اور وہ بھی ایسا کہ ایک دو پیسے میں تمام دوائیں آجائیں آپ کے پاس مریض بہت دور دور سے آتے تھے آپ سب کے امراض کی تشخیص کر کے مناسب اور سستا نسخہ لکھدیتے۔

خداترسی اور شغفِ دین کا یہ عالم تھا کہ روزانہ بعد الفجر مطب جانے سے پہلے ایک منزل تلاوت کر لیا کرتے تھے۔

طب میں حذاقت فنّی کا یہ حال تھا کہ اکثر و بیشتر مریض کی صورت دیکھکر مرض تشخیص کر لیا کرتے اور بغیر نبض دیکھے نسخہ یاد دوا دیدیتے بعض مریضوں کی نبض دیکھکر بتا دیا کرتے کہ اس نے کیا غلط استعمال کی ہے بدپرہیزی کے سخت مخالف تھے مریض پرہیز کو توڑتا ہوا خطرہ محسوس کرتا تھا کہ حکیم صاحب پہچان لیں گے کیونکہ حکیم صاحب کو جس کے متعلق نقض پرہیز کا علم ہوجاتا تھا اسکا علاج چھوڑ دیتے تھے۔

فخر الاسلام علیہ الرحمتہ کی جائے ولادت

خداوند قدوس اپنے جن بندوں کو عبودیت و اطاعت کیلئے منتخب کرتا ہے ان ہر حیثیت سے اعلیٰ اور ارفع مقام دیتا ہے اور ان کی ہر چیز کو شرف سے ہمکنار فرماتا ہے چنانچہ فخر الاسلامؒ کی جائے پیدائش ایسے مقام سے منسلک کی گئی جہاں فیض و عرفان کی بارش ہوتی ہے جہاں خواجہ معین الدین چشتیؒ کا جسد مقدس مدفون ہے جہاں اولیاءاللہ کی شاندار اور تابناک خدمات کے عنوانات روشن ہیں جہاں انوار و تجلیات کا ظہور ہوتا ہے جہاں مدعیانِ نبوت اور معاندینِ اسلام بھی سر خم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جہاں ہزاروں لاکھوں وابستگانِ چشتیت بارگاہِ ایزدی میں سربسجود ہوتے ہیں۔

اس مقدس متبرک اور محترم مقام پر حضرت فخر الاسلامؒ ۱۳۰۷ھ میں پیدا ہوئے چونکہ آپ کے دادا مفتی سید عبدالکریم صاحب پنجاب و اجمیر میں تھانیدار رہے اسلئے خواجہ معین الدین کی درگاہ کے سجادہ نشین سے آپ کے خصوصی تعلقات تھے ولادت سے دوسرے دن آپ کے دادا درگاہ چشتی میں آپ کو لے گئے اور سجادہ نشین سے آپ کے لئے دعا کرائی۔

دادا مرحوم کو شروع سے ہی اس قدر محبت تھی کہ نہایت تزک واحتشام سے آپ کا عقیقہ کیا اس میں علماء دیوبند کو بھی مدعو کیا گیا اور غالباً حضرت مولٰنا محمود الحسن صاحبؒ سے جو شیخ الہند کے لقب سے مشہور تھے حضرت کی تحنیک کرائی

ابتدائی تعلیم

حضرت مرحوم فرماتے تھے کہ میری والدہ مرحومہ کو دین سے خاصہ شغف تھا تلاوت قرآن بکثرت کرتی تھیں جب میں سال بھر کا ہوا تو وہ مجھے "اللہ" کہلوانے کی کوشش کرتی تھیں والدہ مرحومہ فرماتی تھیں کہ میں نے چند ماہ کی کوشش کے بعد لفظ اللہ مجھے زبان زد کرا دیا تھا گویا آپ کی ابتدائی تعلیم ایک سال کی عمر سے ہی شروع ہو چکی تھی جو توحید پرستی کی تعلیم تھی اس سے حضرت کی والدہ کے دینی جذبہ کا اندازہ بھی بخوبی ہو جاتا ہے کہ دیندار عورت کی گود سے کیسا عارف باللہ اور مجاہد اسلام سپوت میدان کارزار میں آیا۔

دو سال سے چار سال تک کی عمر میں والدہ مرحومہ نے کلمہ طیبہ اور حمد وثنا وغیرہ یاد کرا دی تھیں۔

جب آپ نے چار سال کی عمر میں قدم رکھا تو باقاعدہ والدہ سے تعلیم حاصل کرنے لگے قاعدہ قرآن پاک اور ابتدائی دینیات التحیات تسبیحات وغیرہ سب کچھ

والدہ سے سیکھا ابتدائی اردو فارسی اپنے والد ماجد سے پڑھی حضرت فرماتے تھے کہ شروع ہی سے میرا یہ عالم تھا کہ فارسی کا جو سبق ایک مرتبہ پڑھکر یاد کر لیتا وہ کبھی بھولتا نہیں تھا فارسی کے جملے بچپن ہی میں اپنی بول چال میں استعمال کرنے لگا میری اس درجہ ذہانت اور قوت حافظہ پر لوگ تعجب کیا کرتے تھے۔

گھر کے افراد بالخصوص آپ کے نانا مولنا مظفر علی صاحب نے جب آپ کی دلچسپی زبان فارسی سے دیکھی تو مولنا مظفر علی صاحب نے آپ کو فارسی کی بڑی کتابیں پڑھانی شروع کیں جن میں امیر خسرو کی ہشت بہشت بھی داخل ہے بالور میں اس وقت فارسی کی ماہر ترین شخصیت شیخ کریم بخش عرف میاں جی کلّو کا دور دورہ تھا ان سے حضرت فخر الاسلام نے بھی فارسی کی بیشتر کتب پڑھیں جن میں تحفۃ الاحرار، مخزن اسرار، دیوان حافظ، سکندر نامہ یوسف زلیخا، رسالہ عبد الواسع ابو الفضل، بہار دانش وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

حضرت مرحوم نے مذکورہ کتب فارسی اگرچہ آٹھ دس سال کی عمر میں پڑھی تھیں لیکن قوت حافظہ کا یہ عالم تھا کہ عمر کے اسّی سال سال سے متجاوز ہونے کے بعد بھی دیوان حافظ بہار دانش اور سکندر نامہ وغیرہ کے بہت سے اشعار ازبر تھے ہم بعد العصر کی مجلسوں میں اکثر حسب موقع فارسی

اشعار ان سے سنا کرتے تھے مثنوی مولانا روم کا کچھ حصہ بھی حضرت کو یاد تھا اس وقت فارسی عربی کی تعلیم مشترکہ طور پر نہ ہوتی تھی بلکہ ابتداء میں فارسی کی تعلیم مکمل کرائی جاتی تھی بعد ازاں عربی تعلیم شروع ہوتی تھی چنانچہ حضرت مرحوم نے دس گیارہ سال کی عمر میں جب فارسی کی تعلیم سے فراغت حاصل کرلی تو اپنے ایک خاندانی عالم مولانا خالد صاحب سے عربی تعلیم حاصل کرنی شروع کردی ان سے ابتدائی عربی کی بیشتر کتابیں پڑھیں لیکن کچھ عرصہ بعد مولانا خالد صاحب ترک وطن کرکے کانپور مقیم ہوگئے حضرت فخر الاسلام کے والد علیہ الرحمۃ کو بہت تشویش ہوئی کہ اب تعلیم کا سلسلہ کس طرح چلے گا چنانچہ انھوں نے باہر سے کسی عالم کو بلانے کے سلسلہ میں خاندانی بزرگوں سے مشورہ کیا تو ایک خاندانی عالم مولانا عبدالوحید صاحب نے خود پڑھانے کی پیش کش کی والد علیہ الرحمۃ نے حضرت کو مولانا مذکور کی خدمت میں چھوڑ دیا حضرت نے ان سے بھی عربی کی متعدد درسی اور غیر درسی کتابیں پڑھیں کیونکہ اس وقت حضرت کا ابتدائی دور تھا اسلئے حضرت کو قصص و واقعات پر مشتمل کتابیں اکثر پسند آتی تھیں تاریخی واقعات سے حضرت کو کافی لگاؤ تھا۔

چنانچہ خلفاء راشدین اور عہد بنو امیہ وغیرہ کے تاریخی و تحقیقی اوراق حضرت کو بچپن میں ہی ازبر ہوگئے تھے۔

بچپن کا شوقِ بیان

حضرت مرحوم کے خاندانی بزرگوں سے یہ معلوم ہو کر حیرت و استعجاب کی حد نہ رہی کہ بچپن کے زمانہ میں حضرت تعطیل کے اوقات میں بچوں کو جمع کر کے تاریخی قصص بیان کرتے تھے دوران بیان جب کہیں اشعار پڑھنے پر آتے تو ترنم کے ساتھ پڑھتے اور کئی کئی گھنٹے محو ہو جاتے خاص طور پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قصائد اور نعتیہ کلام میں حضرت کو خاص لطف محسوس ہوتا تھا والد علیہ الرحمۃ خاندانی بزرگوں سے کہتے کہ خدا نے اس لڑکے کو شاید میرے لئے ذخیرۂ آخرت بنا دیا عام طور پر لڑکوں کو فرضی کہانیوں سے دلچسپی رہتی ہے لیکن میرا لڑکا اپنے ذہن و دماغ کو اس قسم کی لغویات اور فضولیات سے پراگندہ کرنے کے بجائے رسول اکرمؐ اور صحابہ کرام کے تاریخی کارناموں کو محفوظ رکھکر اپنے ذہن و دماغ کو روشن رکھتا ہے اور دوسروں کو بھی اسی نوعیت کی باتیں سناتا ہے۔

حضرت کے قریبی رشتہ داروں سے یہ مزید معلوم ہوا کہ خاندان کی عورتیں بیچا جمع ہو کر حضرت کو بلاتیں اور ان سے تاریخی واقعات سنتیں کبھی کبھی حضرت کے بیان سے ایسا سماں بنتا کہ عورتیں زار و قطار رونے لگتیں حضرت کا بیان

اگرچہ غیر معمولی سادگی سے متصف ہوتا تھا لیکن دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی آواز دوسروں پر ضرور اثر انداز ہوتی ہے ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

فخر الاسلام کیلئے مدرسہ کا قیام

چند ماہ بعد مولانا عبد الوحید صاحبؒ رحلت فرما گئے جس کے باعث حضرت کے والد مزید تشویش کا شکار ہو جائے اور باہر سے کسی عالم کے بلانے کا فیصلہ کر لیا لیکن باہر سے عالم کو بلا کر اس کی سپردگی میں صرف ایک لڑکا دیا جاتا اور علمی فیضان عام نہ کیا جاتا تو بات موزوں اور نتیجہ خیز نہ ہوتی اس لئے والد مرحوم نے سابق مدرسہ کا احیاء کرنے کی ٹھان لی لیکن سابقہ نام سے مدرسہ کا قیام حکومت کے نزدیک بغاوت کے احیاء سے کم نہ ہوتا اس لئے مدرسہ کو ایک نیا نام، برکات الاسلام، دیکر قائم کیا گیا سابق مدرسہ مسجد سادات میں قائم تھا لیکن برکات الاسلام کی داغ بیل شہر کی جامع مسجد (جو شہر کی آخری حد میں تھی) میں ڈالی گئی تاکہ برٹش گورنمنٹ کو کسی اعتبار سے بھی اعتراض کرنے کا موقعہ فراہم نہ ہو سکے۔

مولانا عبدالحیٔ کی آمد

چنانچہ برکات الاسلام میں تعلیم کا سلسلہ شروع ہوگیا لیکن شعبہ عربی کا ابھی معقول بندوبست نہ ہوسکا تھا والد مرحوم کی یہ خواہش تھی کہ عربی درجہ کیلئے کوئی معقول اور تجربہ کار عالم مل جائے نیرنگی اتفاق سے اسی وقت مولنٰا عبدالحئی صاحبؒ لاہوری ہاپوڑ تشریف لائے مولنٰا عبدالحئی صاحبؒ والد مرحوم سے ملاقات کے لئے آتے تھے مولنٰا عبدالحئی صاحب اگرچہ اس وقت شہر لاہور کے عربی مدرسہ میں تعلیم دیتے تھے لیکن علمی اور فنی اعتبار سے شہرۂ آفاق حیثیت کے مالک تھے بالخصوص ہندوستان کے تمام علمی حلقوں میں ان کو بے پناہ مقبولیت حاصل تھی حضرت کے والد نے ان کو ہاپوڑ کے مستقل قیام پر مجبور کیا اور برکات الاسلام میں علمی و دینی خدمات انجام دینے کے لئے پیش کش کی مولنٰا عبدالحئی صاحب نے ابتداءً کافی انکار کیا لیکن والد علیہ الرحمتہ کے اصرار پیہم نے انھیں ہاپوڑ کی رہائش کے لئے رضامند کرلیا مولنٰا عبدالحئی صاحب اپنا اصل وطن لاہور ترک کرنے کیلئے تیار نہ ہوتے لیکن والد علیہ الرحمتہ سے قریبی مخلصانہ تعلق ہونے کی بنا پر ان کو تیار ہونا پڑا اینبز لاہور میں ان کے

خاندانی افراد وفات پا چکے تھے اور ہم عصر اہل علم بھی رخصت ہو چکے تھے مولنا عبد الحئی صاحب کا چونکہ خالص علمی مذاق تھا اسلئے انھوں نے ہم عصر اہل علم رفقاء کو ہاپوڑ پاکر ہاپوڑ کے قیام کو ترجیح دی۔

مولنا عبد الحئی صاحب کا تخصص علمی

مولنا عبد الحئی صاحب درس دینے میں بھی امتیازی ملکہ رکھتے تھے ان کے یہاں پڑھی ہوئی کتاب کو طالب علم کبھی فراموش نہیں کرسکتا تھا وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں کتابیں امتحان دلانے کیلئے نہیں پڑھاتا ہوں بلکہ میرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ طالب علم زندگی کے اخیر لمحات تک میرے پڑھائے ہوئے درس کو طاق نسیان کے قریب بھی نہ لیجائے چنانچہ حضرت کے والد علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ ہم نے مولنا عبد الحئی کے شاگردوں کو اتنا ذہین اور قوی الحافظہ پایا کہ رات کو سوتے سے بیدار کر کے بھی اگر کسی مسئلہ علمی کے بارے میں استفسار کرلیں تو جواب مستند اور باحوالہ ملجائے خود حضرت فخر الاسلام رح بھی مولنا عبد الحئی صاحب کے کمال علمی اور مہارت فنی سے متعلق غیر معمولی تعریف و توصیف کیا کرتے تھے حضرت فخر الاسلام فرماتے تھے کہ مولنا عبد الحئی صاحب طلباء کو کتابیں ازبر کرنے کی ہدایت کیا کرتے تھے جو طالب علم زبانی سبق

نہ سناتا تھا اس سے بہت زیادہ ناراض ہو جاتے تھے روزانہ بعد العشاء طلباء کو صف بستہ کھڑا کرتے اور ان سے کتابیں بند کرا کے سبق سنتے ہفتہ میں ایک دن گذشتہ اسباق بھی اسی طریق پر سنا کرتے تھے۔

مولانا عبد الحئی صاحب کے متعلق جب تشنگانِ علم کو یہ معلوم ہوا کہ وہ ہجرت کر کے ہاپوڑ مقیم ہو گئے ہیں تو کثرت سے ہاپوڑ حصول تعلیم کے لئے آنے لگے تاآنکہ بیرونی طلباء کا داخلہ ایک سو سے متجاوز ہو گیا اگرچہ ان کے قیام و طعام کے سلسلہ میں کافی دشواریاں پیش آئیں لیکن مقامی متمول خاندانوں کی جانب سے ماہانہ وظائف نے ان مشکلات کو رفع کر دیا بحمد اللہ کبھی بیرون ہاپوڑ سے چندہ کرنے کی نوبت نہیں آئی بیرونی طلباء کا تانتا ہمیشہ بندھا رہتا تھا لیکن منتظمین مدرسہ نے ایک سو سے زائد داخلہ امدادی کی ممانعت کر دی تھی پھر بھی تقریباً پچاس طلباء بیرونی اپنے اخراجات از خود برداشت کر کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کرتے تھے اور ڈیڑھ سو سے زائد مقامی طلباء زیر تعلیم رہنے لگے تھے کل کل طلبہ تین سو سے متجاوز ہو چکے تھے مولانا عبد الحئی کے علاوہ دو مدرسین عربی اور تھے لیکن جب دورۂ حدیث کا سلسلہ مدرسہ میں شروع ہوا تو بخاری اور اس جیسی دیگر اہم کتب کی تدریس کیلئے مولانا عبد الحئی صاحب کا کوئی معاون ہونا ضروری تھا تاکہ اطمینان سے صحاح ستہ وغیرہ کا درس

دیا جا سکتا چنانچہ مولانا محمد علی صاحب خورشی آبادی کو مدرس دوم کی حیثیت سے مدرسہ میں بلا لیا گیا مولانا مذکور بھی حدیث و تفسیر میں مہارت رکھتے تھے اس لئے ان کے پاس بھی دورۂ حدیث وغیرہ کی کتابیں ہوتی تھیں حضرت فخر الاسلام تعلیم کے ابتدائی مراحل ہی طے کر رہے تھے لیکن ان کی وجہ سے بندگان خدا غیر معمولی فیض پا رہے تھے حضرت فخر الاسلام کے اس وقت بھی سینکڑوں رفقاء درس تھے جن میں مولانا عبد الماجد صاحب اور مولانا فخر الحسن صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان دونوں بزرگوں نے بھی حضرت کے ساتھ کلی یا جزوی اسباق میں شرکت کر کے برکات الاسلام سے فیض حاصل کیا۔

حصولِ تعلیم کیلئے اسفار

حضرت فخر الاسلام نے تقریباً دو سال مولانا عبد الحئی صاحب سے تعلیم حاصل کی لیکن گھر پر ماں باپ کا لاڈ رشتہ داروں کا پیار اور ہم عصر دوستوں کی رفاقت نیز انور خانی کی سند و مد تعلیم کے کما حقہ حصول سے عام طور پر مانع رہتی ہے پھر جبکہ والد مرحوم جو فنا فی اللہ تھے اور ہزار ہا مصائب سے گذر چکے تھے اپنا یہ یقین رکھتے تھے کہ کلفت و شدائد سے گذرے بغیر رضا حق کا ملنا مشکل ہے دنیا و آخرت کی ترقیات بدون محنت و مشقت کے حاصل نہیں ہوتیں بالخصوص علم الٰہی اور معرفت ربانی کا حصول تو بغیر مجاہدہ

اور نفس کشی کے ہوتا ہی نہیں انبیاء و رسل کو بھی شدائد و مصائب کی راہوں سے گذرنا پڑا ہے اس کے بعد باری تعالیٰ نے ان کو کمالات سے نوازا اور دارین کی فلاح و ترقی سے ہمکنار کیا اسلئے حضرت کے والد مرحوم چاہتے تھے کہ اپنے پیارے برخوردار کو بھی ان راستوں سے گذاریں تاکہ وہ راہ ابتلاء و آزمائش سے گذارنے کے بعد ان میں ترقیات کے معارج اور رسنا ہیج پر گامزن ہونے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

چنانچہ والد علیہ الرحمتہ کے حکم کے تحت حضرت گلاؤٹھی ضلع بلند شہر حصول علم کے لئے روانہ ہو گئے اور وہاں کے عربی مدرسہ منبع العلوم میں تعلیم حاصل کرنے لگے وہ مدرسہ بھی برٹش گورنمنٹ کے ظلم و تشدد کا شکار بن چکا تھا اور اس کی وہ تمام قدیم خصوصیات ختم ہو گئی تھیں جو عہد مغلیہ میں برقرار تھیں تاہم قابل اور محنتی اساتذہ کے موجود رہنے کی وجہ سے تعلیمی نظم و نسق عمدہ طور پر چل رہا تھا اس وقت مدرسہ کے صدر مدرس مولانا ماجد علی صاحب تھے ان کا اصل وطن جونپور تھا لیکن وہ انقلاب ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے موقعہ پر گلاؤٹھی آکر روپوش ہو گئے تھے اور اس کے بعد مستقل طور پر وہیں قیام پذیر ہو گئے اور تدریسی سلسلہ شروع کر دیا حضرت فخر الاسلام کا امتحان داخلہ انہوں نے ہی لیا اور ان کی ذہانت و فطانت کو داد دی یہی وجہ تھی کہ مولانا ماجد علی صاحب حضرت سے غایت درجہ انس رکھتے تھے اور ان کی تعلیم و تربیت پر بھی خاص توجہ رکھتے تھے حضرت نے وہاں کے دوران قیام شرح جامی

بحث فعل، مختصر معانی، ہدیہ سعیدیہ، قطبی، میبذی کنز الدقائق اور فن ہیئت کی کچھ کتابیں پڑھیں کنز الدقائق کے استاذ مولانا محی الدین صاحب تھے اور فن ہیئت کی کتابیں مولانا کریم بخش صاحب سے پڑھیں مولانا مذکور اس وقت فن ہیئت اور ریاضی اقلیدس کے ممتاز استاذ شمار کئے جاتے تھے باقی تمام کتابیں حضرت نے مولانا ماجد علی صاحب سے پڑھیں حضرت کے اگرچہ یہ تین استاذ تھے لیکن خصوصی انہماک مولانا ماجد علی صاحب کا فخر الاسلام سے اور ان کا مولانا ماجد علی صاحب سے تھا بنا بریں جب مولانا ماجد علی صاحب اپنے چند بزرگوں کے مشورہ سے دہلی تشریف لیگئے اور مدرسہ حسین بخش میں بحیثیت استاذ مقرر ہو گئے تو فخر الاسلام بھی والد علیہ الرحمۃ کے مشورے سے دہلی پہونچ گئے اور مدرسہ حسین بخش میں داخلہ لیکر مولانا ماجد علی صاحب کی زیر نگرانی تعلیم حاصل کرنے لگے اور وہیں ملا حسن، بحر العلوم حمد اللہ شرح عقائد النسفی، خیالی، اور ترمذی مولانا ماجد صاحب سے پڑھیں مولانا مذکور مدرسہ حسین بخش میں ایک سال سے زائد بھی نہ رہ پائے تھے کہ اپنے چند اساتذہ کے مشورہ سے دہلی کے دوسرے بڑے مدرسے مسجد فتحپوری منتقل ہو گئے مسجد فتحپوری کا مدرسہ بھی ممتاز مدارس میں شمار کیا جاتا تھا اور اپنی نجی جائیداد کے بلبوتے پر بیرونی طلباء کی کفالت کرتا تھا حضرت فخر الاسلام بھی مولانا کے ہمراہ مسجد فتحپوری تشریف لیگئے اور وہاں داخلہ لیکر تعلیم شروع کر دی۔

طالب علمانہ زندگی

حضرت فخر الاسلام ایک مرتبہ خود بتا رہے تھے کہ جس زمانہ میں
دہلی تعلیم حاصل کر رہا تھا میرے پاس ایک دوتئی (دوہری چادر)
تھی جو میرے والد نے مجھے بڑی محبت کے ساتھ دی تھی میں اس
کو مسجد کے فرش پر بچھا کر لیٹ جاتا تھا سردی کے زمانہ میں بھی اسی
پر اکتفا کرتا مسجد کے فرش کو نیچے بچھاتا اور اوپر سے اس دوتئی کو
اوڑھ کر سو جاتا اکثر اساتذہ جب مجھے اس حالت میں دیکھتے
تو تعجب کرتے اور میری اس حالت کی قدر کرتے حضرت نے فرمایا کہ
میرے والد اس پر بھی قادر تھے کہ مجھے لحاف وغیرہ بنوا دیتے لیکن
وہ مجھے صعوبت اور مشقت سے دوچار کرنا چاہتے تھے اور میں نے
بھی ان کے اس جذبہ کی قدر کی اور کبھی لحاف وغیرہ کی فرمائش نہیں
کی کیونکہ مجھے یقین تھا کہ خدا کے راستہ میں محنت و مشقت جھیلنا مستقبل
کی فلاح کا ضامن ہے قرآن کریم میں بھی اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا فرمایا گیا
ہے حضرت نے فرمایا کہ میرے والد اس وقت میرے لئے
پانچ روپیہ ماہوار بھیجتے تھے جن میں سے تین روپیہ میں اپنے کھانے
اور ناشتے پر صرف کرتا تھا ایک روپیہ کپڑے کی خرید اس کی
دھلائی اور حجامت وغیرہ میں خرچ ہو جاتا تھا اور ایک روپیہ کی
کتابیں خریدتا تھا حضرت نے فرمایا کہ مجھے کتابیں خریدنے کا
بہت شوق تھا اس وقت میرے پاس اکثر کتابیں زمانہ طالبعلمی

کی خریدی ہوئی ہیں فرمایا کہ ہماری چھٹی دوپہر کو بارہ بجے ہوتی تھی میں آٹا خرید کر اپنے پاس رکھتا تھا چھٹی کے فوراً بعد آٹا گوندھنا اور قریب کے ہوٹل پر لیجاتا وہ اپنے تندور پر اس آٹے کی دو روٹیاں بنا کر مجھے دیدیتا میں وہیں ایک پیسہ کی ترکاری لیکر کھانا تناول کر لیتا اسی طرح کا میرا معمول شام کے کھانے کا تھا دونوں وقت کے کھانے کے علاوہ میں کسی چٹورپن میں اپنا پیسہ نہیں لگاتا تھا اکثر رات کو جاگنے کی وجہ سے میرا نظام ہضم درست نہیں رہتا تھا جس کے باعث مجھے اکثر امراض کا شکار ہونا پڑتا اس سلسلہ میں والد مرحوم کی دوائیں استعمال کرتا اور گاہے گاہے بعض اطبا کے مشورہ سے کچھ پھل وغیرہ بطور دوا کھاتا میرے اکثر ساتھی تعجب کیا کرتے کہ یہ طالب علم موسمی چیزوں کا شوق کبھی نہیں رکھتا اور اکثر ایسا ہوتا کہ بہت سے پھلوں کا موسم آتا اور ختم ہو جاتا لیکن مجھے علم بھی نہیں ہو پاتا تھا عصر کے بعد میرے اکثر رفقا بازاروں میں تفریح کیلئے نکل جاتے ان دنوں عصر کے بعد دہلی کی جامع مسجد کے سامنے دہی بڑے بکتے تھے لوگ ان کو کھانے کیلئے دور دراز کی مسافت طے کر کے آتے تھے اسی طرح چاندنی چوک پر مختلف قسم کے سامانوں کی رنگ برنگ دوکانیں تھیں میرے ساتھی بھی ان اطراف کا رخ کرتے لیکن میں ہمیشہ اس وقت مزارات کی جانب جاتا اور قرآن کی تلاوت کرتا غالباً اس پورے دور میں دو تین بار اپنے چند اساتذہ

کے ساتھ ان کا سامان لانے کی غرض سے ان اطراف میں جانے کا اتفاق ہوا ہے ورنہ کبھی اس جانب آنے جانے کیلئے دل بھی رغبت نہیں کرتا عصر بعد ازاں کو عشا کے بعد کچھ دیر مطالعہ کرتا اور سو جاتا چار یا پانچ گھنٹہ سو کر بیدار ہو جاتا بیت الخلاء جاتا پھر وضو وغیرہ سے فراغت حاصل کر کے مطالعہ کرنے کے لئے بیٹھ جاتا اور نماز فجر تک مطالعہ ہی میں منہمک رہتا اگر اپنے کام سے مطمئن ہو جاتا تو کچھ دیر کے لئے دوپہری میں آرام کر لیتا ورنہ دوپہری کا وقت بھی کتب بینی میں لگ جاتا اسی طرح جمعہ کا دن بھی میرے لئے تعطیل کا دن نہ ہوتا تھا بلکہ اس میں اساتذہ کے مکانوں میں جاتا اور ان کی ضروریات پوری کرتا پھر اپنے چھوٹے بڑے کپڑوں کی اصلاح کرتا باقی وقت پڑھنے پڑھانے کی نذر ہو جاتا

اگر حضرت فخر الاسلام کی ان چند طالبعلمانہ خصوصیات کو بنظر عمیق دیکھا جائے تو اصحاب صفہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اگرچہ کلی طور پر یہ وہ خصوصیات نہ ہوں لیکن بنیادی اعتبار سے مماثلت ضرور ملتی ہے خدا کے راستہ میں نکلنا اور دینی تعلیم کو سیکھنے اور سکھانے کیلئے اپنی زندگی کو وقف کر دینا دنیاوی لذات اور بیہودہ مشاغل سے کنارہ کش ہو کر اپنی تمام زندگی اور اس کی خواہشات کو علوم دین کی نذر کر دینا کوئی کم اہم بات نہیں بالخصوص اس دور میں جبکہ دینی تعلیم کو عوام الناس حقارت آمیز نظروں سے دیکھیں اور اس تعلیم سے کوئی

دنیاوی منفعت یا عزت و ذلت ملنے کا امکان نہ ہو سہ

در کوئے ما شکستہ دلے می خرند و بس
بازار خود فروشی ازاں سوئے دیگر است

آزمائشوں کی یلغار

فلاح وبہبودی کے معارج پر پہونچنے کیلئے چونکہ آلام ومصائب کا مرور اور صعوبات ومشکلات کا حدوث ناگزیر ہے اسلئے حضرت فخر الاسلام کیلئے بھی ان تیز و تند جھونکوں کی زد میں آنا لابدی اور لازمی تھا بالخصوص ایسی شخصیت کے لئے جس کو امت مسلمہ کی نگہبانی اور حاملین علوم نبویہ کی قیادت کرنی ہو اور اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ کا مصداق بننا ہو تو ہر طرف سے مشکلات کا تسلسل امتحانات اور آزمائشوں کی یورش اور شدائد کی یلغار اس کے لئے مرغابت کے مرادف ہے

چنانچہ حضرت فخر الاسلام کو بیک وقت گوناگوں غموم و ہموم نے گھیر لیا مگر حضرت نے ثابت قدم رہکر جادۂ دائمی ہمت و استقلال کا ثبوت پیش کیا آپ کے بڑے بھائی مولنا نصیر الدین صاحب آپ کے ساتھ دہلی ہی میں مقیم تھے دہلی میں مرض طاعون کی وبا ہر خطہ کو ماتم کدہ انسانیت بنائے ہوئے تھی مولنا نصیر الدین صاحب بھی اس وبا کا شکار بن گئے حضرت فخر الاسلام

نے طبی امداد کے ساتھ جملہ احتیاطی تدابیر بھی اختیار کر لیں مگر قدرت کو تو کچھ اور ہی منظور تھا حضرت اپنے بھائی کو نمونیہ کی حالت میں لیکر ہاپوڑ کیلئے روانہ ہوئے ہاپوڑ میں موسلا دھار بارش ہو رہی تھی رات کے وقت ہاپوڑ پہونچے ایسی حالت میں سواری وغیرہ بھی نہ مل سکی بھائی کو لیکر پیدل ہی چل پڑے تمام کپڑے بھیگ گئے بارش اتنی زور دار تھی کہ سڑکوں پر پانی چڑھ گیا گھٹنوں سے اوپر تک پانی تھا حضرت اسی حال میں چلتے رہے نوبت بایں جا رسید کہ مولانا نصیر الدین صاحب بیہوش ہو گئے حضرت ان کو ایسی حالت میں اپنے اوپر لاد کر مکان تک لائے حضرت کے والد ماجد اگرچہ طبیب حاذق تھے لیکن ایسی حالت میں دیکھکر گھبراہٹ طاری ہو گئی اور مرض کی کوئی تشخیص یا دوا کی تجویز نہ کر سکے وقتی طور پر ان کی سکائی وغیرہ کر دی گئی جب صبح ہوئی تو والد مرحوم فوراً ڈاکٹر کو بلا کر لائے ڈاکٹر نے مرض کی تشخیص کے بعد نسخہ تجویز کیا اور اپنے آلات کی مدد سے اندرونی بخارات کو نکالنے اور دفع کرنے کی کوشش کی ڈاکٹر کسی حد تک اپنی کوشش میں کامیاب بھی ہوا اور وقتی طور پر کچھ حالت بہتر ہو گئی۔

لیکن دوسرے دن حالت پہلے سے بھی زیادہ ابتر ہو گئی یہاں تک کی تیسرے دن اسی مرض انتقال ہو گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ہ

والدہ ماجدہ کا سفرِ آخرت

مولانا ظہیر الدین صاحب کا جوانی میں فوت ہو جانا دادا اور والدہ کیلئے شدید کرب و الم کا موجب تھا جبکہ حضرت کے بھائیوں میں سب سے بڑے مولانا ظہیر الدین ہی تھے بڑے بیٹے سے عام طور پر والدین کو زیادہ محبت ہوتی ہے کیونکہ وہی آئندہ نسلوں کو اجاگر کرنے کا ذریعہ بنتا ہے بہ نسبت چھوٹے بھائیوں کے کیونکہ وہ تربیتی اور تعمیری امور میں بڑے کے دست نگر رہتے ہیں غرض والدہ محترمہ اس المناک حادثہ سے بہت زیادہ متاثر ہوئیں اسی روز سے شدید مرض کا شکار ہو گئیں غم و الم کے اضافہ کے ساتھ مرض بھی افزوں ہوتا گیا جس کے باعث تین روز بعد ان کو بھی دار فانی سے رحلت کرنی پڑی یہ دونوں اندوہناک حادثے والد اور دادا علیہما الرحمتہ کیلئے شدید حزن و اضطراب کا سبب بنے حضرت کے دادا والدہ مرحومہ کے ماموں لگتے تھے اس لئے لخت جگر کی رفیقہ حیات اور اپنی بھانجی کے یکایک فوت ہو جانے کی بنا پر ان کو فوراً دل کا دورہ پڑا اور حضرت کی والدہ مرحومہ کے وصال کے صرف ایک گھنٹہ بعد دادا مرحوم بھی واصل بحق ہو گئے

والد محترم کا وصال

والد علیہ الرحمتہ کی طبیعت شروع ہی سے حد درجہ نازک تھی معمولی

غم بھی ان کیلئے سوہان روح بن جاتا بفاد ماغ کو چکر آجاتا تھا
چہ جائیکہ پے در پے اپنے اصول و فروع کا داغ مفارقت دینا
اس لئے وہ ان پیہم و مسلسل مصائب کا تحمل نہ کرنے کی بنا پر
مرض الموت میں مبتلا ہو گئے حافظ ابو ہریرہ صاحب کے والد اور
دیگر اقربا نے بہت زیادہ دلاسہ دیا ڈھارس بندھانے
کی کوشش کی لیکن وہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی ما کے آثار
ظاہر ہوتے رہے اطباء اور ڈاکٹروں کی دوا بھی ان کیلئے غیر مفید
ثابت ہوتی رہی یہاں تک کہ ہوش و حواس بھی ضائع ہو گئے نظروں
سے دیکھنا بھی بند ہو گیا اور اسی حالت میں چوتھے روز انھوں
نے بھی داعئ اجل کو لبیک کہدیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؀

والدین کی رحلت کے بعد قلبی تاثر

ان پے بہ پے آزمائشوں نے حضرت فخر الاسلام کے قلب کو
بھی انتہائی کبیدہ اور رنجیدہ کر دیا تھا ایک جانب اپنی بے
سروسامانی دوسری جانب اپنے دو چھوٹے بھائیوں کی
پرورش کا خیال جن کا بوجھ حضرت ہی کے ضعیف اور ناتوان
کاندھے پر آپڑا تھا لیکن وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ
کا فارمولہ حضرت فخر الاسلام کیلئے طمانینت اور سکون کا
باعث تھا
حضرت اپنی طبعیت کے اعتبار سے بہت زیادہ غیور اور
خود دار واقع ہوئے تھے استغنا اور مخلوق سے بے نیازی

حضرت کا وصف خاص تھا اسلئے حضرت اپنے کسی رشتہ دار تعلق دار سے کسی قسم کی اعانت طلب کرنا بھی خلاف طبیعت قرار دیتے تھے والدین کے وصال کے بعد گوناگوں مشکلات نے گھیر لیا سخت سے سخت مصیبتیں آپڑیں لیکن حضرت نے کبھی اپنا دست طلب غیر اللہ کی جانب دراز نہیں کیا جب خدا نے اس سخت امتحان کی گھڑی میں بھی حضرت کے عزم و استقلال کو تذبذب اور تزلزل کے قریب نہ پایا تو اپنی رحمتوں کے دروازے حضرت کیلئے وا کر دیئے اور الطاف و عنایات کی بارشوں کا نزول شروع کر دیا متعلقین اور رشتہ دار خود ہی حضرت کے پاس آنے لگے اور ضروریات کا سامان بہم پہونچانے لگے حضرت کی چھوٹی پھوپھی جو سکندر آباد رہتی تھیں بالپور آئیں اور حضرت کے چھوٹے بھائی علی احمد کو اپنے ساتھ سکندر آباد لے گئیں علی احمد غیر معمولی صغیر السن تھے کسی کے پاس رہنا قطعاً گوارہ نہ کرتے تھے والدہ مرحومہ کے علاوہ کسی دوسری عورت کی گود میں بیٹھنا گوارہ نہ کرتے تھے لیکن جب انھوں نے اپنی چھوٹی پھوپھی کو اپنے اوپر مہربان پایا تو ان کے سایۂ عاطفت میں رہنے کیلئے رضا مند ہو گئے کیونکہ چھوٹی پھوپھی اکثر بالپور آتی رہتی تھیں اور والدہ مرحومہ بھی اکثر و بیشتر سکندر آباد جب جاتیں تو علی احمد کو ضرور ساتھ لیجاتیں اس مناسبت کی بنا پر بھی علی احمد کا ان کی جانب میلان ہونا از بس ضروری تھا علی احمد وہیں ان کے پاس رہ کر تعلیم و تربیت کے مراحل

طے کرتے رہے گا ہے گاہے پھوپھی صاحبہ ان کو ہاپوڑ بلا لائیں اور کبھی حضرت فخر الاسلام اور ان کے دوسرے بھائی نثار احمد کو اپنے یہاں بلا لیتیں۔

حضرت فخر الاسلام اپنے برادر خورد کی جانب سے تو مطمئن ہو گئے تھے لیکن خود پر گذرنے والی مشکلات کا حل ابھی تلاش نہ کر سکے تھے خاص طور پر کھانے وغیرہ کے سلسلہ میں بڑی پریشانی پیش آتی تھی حضرت کے ہوں اگرچہ رقم وغیرہ دیتے رہتے تھے لیکن کھانا پکانے اور پاس کا انتظام رکھنے کے بارے میں حضرت پریشان تھے کہ اللہ نے دوسری پھوپھی (جو اسوقت ہاپوڑ میں مقیم تھیں) کے دل کو حضرت کیلئے شفقت و محبت کے جذبات سے پر کر دیا اور انھوں نے خود ہی ان کی کفالت کے لئے پیش کش کی حضرت نے ماموں وغیرہ سے مشورہ کرنے کے بعد ان کی مخلصانہ پیش کش کو قبول فرما لیا چنانچہ حضرت اور ان کے بھائی نثار احمد اپنی بڑی پھوپھی کے زیر سایہ رہنے لگے۔

اس طرح قیام و طعام کا مسئلہ تو حل ہو گیا تھا لیکن تعلیم کا برقرار رہنا بڑا مشکل ہو گیا بعض خاندانی افراد تو تعلیم ترک کرنے کا مشورہ دینے لگے تھے اور تجارت اور دستکاری سیکھنے کو مفید بتا رہے تھے مگر حضرت نے تمام مشوروں کو بالائے طاق رکھکر محض اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے تعلیم کو آگے بڑھانے کی ٹھان لی اور دہلی جاکر مولانا ماجد علی

سے ہاپوڑ تعلیم حاصل کرنے کی اجازت طلب کرلی کیونکہ دہلی کا قیام حضرت کیلئے بہت دشوار بن چکا تھا اپنے بھائی نثار احمد کی نگہداشت اور اخراجات کا بار نہ برداشت کرنے کی بناپر بیرون ہاپوڑ رہنا غیر ممکن تھا چنانچہ حضرت نے مدرسہ برکات الاسلام ہاپوڑ میں تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کردیا اس وقت مدرسہ مذکور میں مولنا کریم بخش صاحب سنبھلی صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز تھے حضرت نے ان کے مشورہ سے ان ہی کی زیر نگرانی تعلیم کا آغاز کردیا اسی دوران مولنا سید محمود صاحب ہزاروی بھی ہاپوڑ تشریف لے آئے اور منتظمین کے اصرار سے برکات الاسلام میں مدرس دوم کی حیثیت سے کام کرنے لگے حضرت نے ان سے بھی چند کتابیں پڑھیں اور ان کے گراں قدر مشوروں سے استفادہ کیا بالخصوص مطالعہ کرنے کا طرز ان سے حاصل کیا اور بیشتر کتب کے مطالعہ میں ان سے مدد لی -

دارالعلوم دیوبند کیلئے روانگی

تقریباً دو سال حضرت نے اسطرح ہاپوڑ میں مزید تعلیم حاصل کی پھر حضرت اور ان کے بعض اساتذہ کا مشورہ باہر جانے کے متعلق ہوا حضرت نے دوبارہ مدرسہ حسین بخش کو ترجیح دی کیونکہ مدرسہ حسین بخش میں اس وقت بعض اساتذہ فنون معقولہ کے ماہر شمار کئے جاتے تھے اور حضرت

کی طبیعت معقولات کی جانب راغب تھی اور حضرت کا سابقہ بھی زیادہ تر انہی فن کے ماہر یا اس فن سے دلچسپی رکھنے والے اساتذہ سے پڑا تھا لیکن درس اثناء حکیم اسحاق صاحب کٹھوری ہاپوڑ آئے حکیم صاحب کو حضرت کے خاندان سے خاص نوعیت کا تعلق تھا وہ اکثر و بیشتر حضرت کے والد مرحوم کے پاس آتے رہتے تھے اور بعض طبی مسائل میں ان سے استفادہ کرتے تھے اسی تعلق کی بنا پر ان کی اولاد سے بھی حکیم صاحب کو مخصوص تعلق تھا انھوں نے حضرت حضرت فخر الاسلام کے باہر جانے سے متعلق جب سنا تو ان کو دیوبند آنے کا مشورہ دیا مگر حضرت دیوبند سے رغبت نہ رکھتے تھے حضرت کی دالنست میں اس وقت وہاں معقولات کا مناسب انتظام نہ تھا اسلئے حضرت نے حکیم صاحب کے سامنے اپنی یہ الجھن رکھی حکیم صاحب نے اس کی تردید کی اور کہا وہاں تو معقولات کا اس قدر غلبہ ہے کہ ہر فن کو معقولات کی روشنی میں بڑھایا جاتا ہے حتیٰ کی اصول حدیث و تفسیر اور مسائل فقہ کی تفہیم کا دار و مدار بھی معقولات کے سمجھنے پر رکھا گیا ہے حکیم صاحب نے مزید فرمایا کہ اگر تمہیں یقین نہ ہو تو خود دیوبند جاکر تحقیق کر لو اور اساتذہ کے درس میں بیٹھنے سے تمہیں اس کا اندازہ خود بخود ہو جائے گا چنانچہ حضرت دیوبند تشریف لے گئے وہاں اپنے متعلقین سے تحقیق کی اور خود بھی اساتذہ کے درس میں شریک ہوئے بالخصوص حضرت شیخ الہند علیہ الرحمتہ کے درس بیضاوی

وابوداؤد نے حضرت پر جادو کا کام کیا حضرت کو ان اسباق میں شرکت کر کے اندازہ ہوگیا کہ علماء دیوبند کو معقولات میں کس قدر ملکہ حاصل ہے۔

حضرت خود فرماتے تھے کہ مجھے اس موقع پر ایسا معلوم ہوا کی دار العلوم واقعی تمام علوم و فنون کا گہوارہ ہے اور منقولات کے ساتھ علوم عقلیہ کا یہاں کتنا فروغ ہے دیوبند پہونچنے سے قبل مجھے اپنے اوپر بہت زیادہ فخر تھا اور میں خود کو بعض علوم بالخصوص علوم عقلیہ میں بعض اساتذہ وقت پر فوقیت دیتا تھا لیکن حضرت شیخ الہندؒ نے درس بیضاوی و ابوداؤد میں مسائل تفسیر و حدیث کو جس خوبی سے معقولات کی روشنی میں سمجھایا اس نے مجھے ایسا سمجھنے پر مجبور کیا کہ میں معقولات کے ایک مبتدی طالب علم سے زیادہ کچھ نہیں ہوں۔

امتحان و داخلہ

حضرت جب ان احساسات و خیالات کو لیکر ہاپوڑ لوٹے تو دیوبند جانے کا حتمی فیصلہ کر لیا اور اپنے ماموں جناب سید اسمٰعیل صاحب کو اپنے ارادہ سے مطلع کیا ماموں صاحب نے بھی دیوبند جانے کی اجازت دیدی چنانچہ حضرت شوال ۱۳۲۶ھ کو دیوبند تشریف لیگئے اور وہاں داخلہ کے لئے درخواست دیدی اور امتحان کیلئے ہدایہ۔ جلالین۔ مشکوٰۃ۔ بیضاوی وغیرہ کا نام لکھا دیا حضرت کے امتحان کا فارم تعلیمات سے اسوقت نکلا

جب کہ عصر کی اذان میں صرف نصف گھنٹہ باقی تھا اور امتحان بھی حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ کے پاس بھیجا گیا حضرت شیخ الہند کا معمول تھا کہ وہ کتب خانہ میں امتحان لیتے تھے اور طالب علم سے امتحان لینے سے قبل مختلف قسم کے غیر متعلقہ سوالات کرتے تاکہ طالب علم مانوس ہو جائے اور وحشت اور گھبراہٹ سے دور رہ کر دلجمعی اور حاضر دماغی کے ساتھ امتحان دے سکے حضرت بھی وقت مقررہ پر امتحان گاہ میں پہونچ گئے شیخ الہندؒ نے پہلے اسی نوعیت کے سوالات کئے پھر امتحان لینا شروع کیا اور مشکوٰۃ شریف کھلوا کر مختلف مقامات سے پوچھنا شروع کیا خاص طور پر ابواب و ترتیب سے متعلق پھر اس پر اصول حدیث اور فقہ کے اعتبار سے اعتراضات کئے حضرت نے ہر سوال و اعتراض کا تسلی بخش جواب دیا اور وتر کے سلسلہ میں اختلاف ائمہ کو تفصیل سے پیش کر کے بقدر ضرورت دلائل ائمہ کو بھی نقلی اور عقلی اعتبار سے بیان کیا حضرت شیخ الہندؒ نے پھر اس مسئلہ پر ایسا اعتراض اٹھایا کہ حضرت اس کا خاطر خواہ جواب دینے سے قاصر رہے پھر ہدایہ کھلوائی اس میں جگہ جگہ سے سوالات کئے حضرت نے ہر ایک کا صحیح اور مستند جواب دیا پھر حضرت شیخ الہند نے معقولات سے متعلق سوالات کے دوران پوچھا کہ معقول میں کیا کیا کتابیں پڑھیں حضرت نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ جس کتاب میں چاہیں امتحان لے سکتے ہیں نماز کا وقت

ہوچکا تھا شیخ الہندؒ مسجد کو چلنے لگے دیوان جی اللہ دیئے جو اسوقت بحیثیت محرر طلباء کے اسماء وغیرہ لکھتے تھے فارم پر نمبر نہ دیکھکر حیران ہوئے اور فوراً دوڑ کر حضرت سے راستہ میں ہی پوچھا کہ فارم پر نمبر نہیں ہیں شاید آپ بھول گئے حضرت شیخ الہندؒ نے جواب دیا کہ "انعامی نمبر" ہیں۔

دیوان جی اللہ دئے نے اس پر انعامی نمبر تحریر کر دیئے بعد میں شیخ الہندؒ سے دستخط کرا لئے دوسرے دن شیخ الہندؒ نے حضرت کو بلاکر مشورہ دیا کہ تم دورۂ حدیث دو سال میں پڑھو حضرت نے اس حکم کو بسر و چشم قبول کرتے ہوئے رضامندی کا اظہار کیا اور دو سال میں ہی دورۂ حدیث کی تکمیل کی ان دو سالوں میں حدیث کی کتابوں کے ساتھ دیگر علوم و فنون کی بھی متعدد کتابیں پڑھیں اور مزید علمی تحقیقات میں اضافہ کیا مثلاً ہدایہ اخیرین، بیضاوی شریف، توضیح، عروض المفتاح دیوان متنبی، حماسہ، درمختار، تفسیر مدارک، جلالین اور حسامی وغیرہ مختلف اساتذہ سے خارج میں پڑھیں۔

طالبعلمانہ خصوصیات

حضرت کا معمول تھا کہ سبق سے پہلے خوب مطالعہ کر لیا کرتے تھے اور یہ کوشش فرماتے کہ پورا سبق درسگاہ میں جانے سے قبل سمجھ لوں چنانچہ اکثر آپ پورا سبق سمجھکر درسگاہ جاتے تھے کچھ باتیں گنجلک اور پیچیدہ رہ جاتی تھیں ان کو سبق میں سمجھ لیا کرتے تھے

سبق پڑھنے کے بعد بھی مطالعہ فرماتے اور حسب موقع تکرار وغیرہ کرا دیتے۔ تمام ساتھیوں میں حضرت کی امتیازی حیثیت نمایاں رہتی تھی اور اکثر رفقاءِ درس حضرت کے پاس آکر کتاب کے مشکل مقامات کو حل کراتے تھے حضرت کو سبق میں عبارت پڑھنے کا بہت شوق تھا اکثر آپ ہی عبارت پڑھتے تھے گاہ گاہ دوسرے طلباء کو موقعہ ملتا تھا کبھی ایسا بھی ہوتا کہ دوسرے طالب علم نے عبارت شروع کر دی تو حضرت شیخ الہند اس کو روک دیتے اور حضرت فخر الاسلام کو عبارت پڑھنے کا حکم دیتے حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ بھی اپنے سبق میں اکثر حضرت سے ہی عبارت پڑھواتے تھے اور حضرت پر توجہ خاص رکھتے تھے چند ماہ بعد ہی تمام اساتذۂ دارالعلوم حضرت کی غیر معمولی ذہانت و فطانت کی قدر کرنے لگے تھے یہی وجہ تھی کہ ہر امتحان میں آپ کے اعلیٰ نمبر آتے تھے جب انعامی جلسہ منعقد ہوتا اور طلباء کو کتب انعام تقسیم کی جاتیں تو حضرت کو سب سے زیادہ انعام سے نوازا جاتا اس موقعہ پر جو بیرونجات کے رؤسا شرکت کرتے وہ بھی حضرت کے کمال عقل و فہم پر انگشت بدنداں رہ جاتے کہ ہر موقعہ پر اس طالب علم کا امتیازی مقام کیوں رہتا ہے۔

دوسرے سال جب انعامی جلسہ انعقاد پذیر ہوا تو حضرت کو خصوصی انعام کے طور پر زوجہ مشفع احمد ڈپٹی کلکٹر مظفر نگر کی جانب سے ایک قیمتی گھڑی بھی دی گئی اور بخاری ترمذی درمختار جیسی اہم کتابیں بطور انعام پیش کی گئیں۔

تفوق علم و فہم

حضرت فخر الاسلام کے کمال عقل و دانش اور ذکاوت و فطانت سے ہر خاص و عام واقف تھا حضرت کا علمی تفوق تمام طلباء و اساتذہ پر آشکارا تھا بنابریں اکثر طلباء حضرت سے خارج اوقات میں درسی و غیر درسی کتابیں پڑھتے تھے بعض مدرسین کو بھی حضرت کے علم پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب وہ باہر سفر پر جاتے تو اپنی کتابیں آپ کے سپرد کر جاتے آپ ان کو رات کے وقت پڑھا دیا کرتے تھے بعض اساتذہ کے مسلسل بیمار رہنے کی وجہ سے دفتر اہتمام نے بسا اوقات معین المدرسین کی حیثیت سے کام کرنے کا موقعہ مرحمت کیا

دار العلوم کے دو سالہ دور طالب علمی میں آپ نے حمد اللہ جواہر غالیۃ فی الحکمۃ المتعالیۃ، ملا جلال، ملا حسن اور شرح وقایہ جیسی اہم کتابوں کا درس دیا یہی وجہ تھی کہ آپ کے فارغ التحصیل ہوتے ہی دار العلوم کے ارباب حل و عقد میں حضرت کو مدرس رکھنے کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں

تدریس کا آغاز

چنانچہ حافظ محمد احمد صاحب نے جو اس وقت دار العلوم کے صدر مہتمم تھے حضرت سے دار العلوم میں بحیثیت استاذ رہنے کو کہا لیکن حضرت نے بعض وجوہات کی بنا پر اس

خدمت سے معذوری ظاہر کی مگر جب حضرت کے اساتذہ اور دیگر کرم فرماؤں نے حضرت کو اس خدمت کیلئے مجبور کیا تو حضرت کو منظوری دینی پڑی چنانچہ آپ سنہ ۲۸ھ کے آغاز سے ہی دارالعلوم کے باقاعدہ استاذ بنا دئے گئے تھے شروع میں آپ کی تنخواہ پندرہ روپیہ ماہوار تھی جس میں اضافہ بھی کیا گیا مگر چند ماہ بعد آپ نے فی سبیل اللہ خدمت تدریس انجام دی۔ آپ کے درس کی خصوصیات طلباء دارالعلوم پر پہلے ہی آشکارا تھیں ہر طالب علم جو حضرت کی متعلقہ کتابوں سے تعلق رکھتا تھا آپ کے پاس ہی پڑھنا چاہتا تھا ایسا اوقات طالبعلموں نے دوسروں کے پاس سے نام کٹا کر حضرت کے پاس کتابیں پڑھیں حضرت سے متعلقہ کتابیں درس نظامی میں اوسط درجہ کی حیثیت کی حامل تھیں لیکن اس دوران بھی بڑی کتابوں کے طلباء آپ سے اپنی کتابوں کے متعلقات حل کراتے تھے بعض طلباء تو اپنی کتابیں بالاستیعاب حضرت سے پڑھتے تھے حضرت کی علمی ترقی پر اکثر آپ کے اساتذہ خوش تھے اور آپ کو مرجع دیکھنا چاہتے تھے لیکن بعض مدرسین کو اس سے کبیدگی تھی کہ طلباء ان کی کتابیں کسی دوسرے استاذ سے پڑھیں حالانکہ حضرت کی تدریس سرتاسر ایثار و اخلاص پر مبنی تھی مگر معاصرانہ چشمک رنگ لائے بدون کہاں رہ سکتی ہے اختلافات شروع ہونے لگے حضرت ان تمام چیزوں سے دور

رہنے کے عادی تھے وہ کسی کی مخالفت کا جواب دینا بھی
پسند نہ فرماتے تھے اس وصف کی بنا پر حضرت کا حلقہ اثر مزید
مضبوط سے مضبوط تر ہونے لگا جو مخالفین کے لئے زیادہ
تشویش کا باعث بننے لگا حتیٰ کہ بعض اکابر اساتذہ بھی
چپقلش رکھنے لگے مگر حضرت نے اپنے حسن اخلاق سے
اختلافات کی خلیج کو وسیع نہ ہونے دیا اور سب ہی
مدرسین سے اپنے تعلقات استوار رکھنے کی کوشش کی
حضرت کے بعض شاگردوں بالخصوص مولانا سیف اللہ صاحب
بھاگلپوری سے یہ معلوم ہو کر از حد حیرت ہوئی کہ دارالعلوم
کے جلیل القدر استاذ کے پاس امور عامہ پڑھنے والے
طلباء حضرت فخر الاسلامؒ سے دوبارہ پڑھا کرتے تھے
کیونکہ حضرت کے یہاں نقد و اعتراض کی عام اجازت تھی
طالب علم جو بھی نقد کرتا حضرت اسکا جواب نہایت خوش اسلوبی
سے دیتے اس اعتراض و جواب کی روشنی میں طلباء کو
بعض ایسے نوادر نکات ملجاتے جو دوسروں کے یہاں
نہ مل پاتے تھے کبھی کبھی طلباء اس نوعیت کے اعتراضات
متعلق استاذ کی مجلس درس میں کیا کرتے استاذ محترم زیادہ
وقت تک سوال و جواب کا سلسلہ دراز کرنا پسند نہ کرتے تھے
جس کی وجہ سے طلبہ ان کے سبق سے غیر مطمئن تھے ایک
مرتبہ درس کے تحت کون و مکان کی بحث آگئی استاذ محترم
نے مفصل تقریر فرمائی طلباء اس بحث کو پہلے ہی حضرت فخر الاسلام

سے سمجھ چکے تھے چنانچہ دوران تقریر طلباء نے بحث پر اعتراض کئے استاذ محترم کے جواب پر بھی انھوں نے عدم اطمینان کا اظہار کیا جس پر وہ برافروختہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ میں جانتا ہوں تمہیں کون تیار کر کے بھیجتا ہے اور اسی وقت درس بند کر کے درسگاہ سے چلے گئے دوسرے دن سبق پڑھانے کیلئے بھی نہیں آئے اور اس وقت دارالعلوم کے نائب مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب تھے ان کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے استاذ موصوف کو بلایا استاذ موصوف نے طلباء کی حرکات نائب مہتمم کے سامنے رکھدیں اور محرک حضرت فخرالاسلام کو قرار دیا جس کے باعث انھوں نے حضرت فخرالاسلام اور ان کے بعد متعلقہ طلباء کو طلب کیا حضرت فخرالاسلام نے ان تمام باتوں سے لاعلمی ظاہر کر کے برأت پیش کی اور طلباء نے بھی اپنی کسی حرکت کو حضرت کی جانب منسوب نہ کیا بلکہ فہم درس کے سلسلہ میں اپنی بے چینی ظاہر کی بالاہی بالا یہ خبر حضرت حافظ محمد احمد صاحب جو اسوقت کے صدر مہتمم تھے پہونچی صدر صاحب جانتے تھے کہ حضرت فخرالاسلام اس قماش کے انسان نہیں ہیں یہ سب ان پر افترا اور الزام تراشی ہے چنانچہ انھوں نے اس واقعہ کا اس وقت کوئی اثر نہ لیا مگر چند ماہ بعد ہی ان کا یہ ذہنی اختلاف ارباب انتظام تک مفضی ہو گیا اور گروپ بندی کے آثار نظر آنے لگے حافظ صاحب نہایت سلیم الطبع اور ذہن و دماغ کے صاف

تھے اس لئے انھوں نے حضرت فخر الاسلام کو دار العلوم سے ہٹا کر مدرسہ شاہی مراد آباد بھیجنے کا فیصلہ کر لیا ادھر مدرسہ شاہی میں بھی ایک امام فن کی ضرورت تھی چنانچہ صدر مہتمم صاحب نے حضرت کو بلا کر دار العلوم کے اندرونی حالات سے باخبر کیا اور کہا کہ ہم اس وقت یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ تمہیں چند سال کیلئے مدرسہ شاہی مراد آباد بھیج دیں تا کہ یہاں کے حالات بھی استوار ہو جائیں اور مدرسہ شاہی کی ضرورت بھی وقتی طور پر پوری ہو جائے صدر صاحب نے اس کی صراحت کر دی کہ تم اگرچہ مدرسہ شاہی میں تعلیم دو گے مگر تمہیں دار العلوم کے مدرس کی حیثیت سے برقرار رکھا جائے گا مدرسہ شاہی دار العلوم ہی کی ایک شاخ ہے ہم جب مناسب سمجھیں گے تمہیں وہاں سے دار العلوم بلا لیں گے۔

مدرسہ شاہی مراد آباد کا تقرر

سنہ ۲۹ھ کے اوائل میں حضرت مراد آباد کیلئے روانہ ہو گئے اور مدرس دوم کی حیثیت سے جامعہ قاسمیہ شاہی میں علم و دین کی خدمات انجام دینے لگے اس سال حضرت سے متعلق کتب جلالین شریف ابوداؤد شرح عقائد، میبذی، اور ملا حسن تھیں دوسرے سال آپ کو مزید ترقی سے نوازا گیا اس وقت مدرسہ شاہی کے مدرس اول مولانا محمود صاحب سبھوانی تھے ان کے وصال

کے بعد حضرت کو ہی مدرس اول کی حیثیت دیدی گئی اور آپ بخاری ترمذی جیسی اہم کتابوں کا درس دینے لگے آپ کے پہنچنے سے قبل مراد آباد میں افتاء کے سلسلہ میں بڑی دشواریاں تھیں تمام استفتاء دیوبند بھیجنے پڑتے تھے وہاں سے کئی ہفتہ بعد جواب آتا تھا بالخصوص شرعی کمیٹی کے امور کا دیوبند تک لیجانا یا دیوبند والوں کو مراد آباد آنے کی بار بار زحمت دینا امور شاقہ سے تعلق رکھتا تھا

حضرت نے ان دشواریوں کے پیش نظر مدرسہ میں دارالافتاء قائم کیا اور ہزارہا استفسارات کے جواب اپنے قلم سے لکھے شرعی کمیٹی کا قیام بھی باقاعدہ عمل میں آگیا اور حضرت کی قیادت کے تحت سینکڑوں نکاح وطلاق وغیرہ سے متعلقہ مقدمات بھی کمیٹی میں طے ہونے لگے اور اسطرح آپ مدرسہ شاہی کے بیک وقت صدر المدرسین شیخ الحدیث اور مفتی اعلیٰ بن گئے

مراد آباد اور اس کے گرد ونواح میں شرک و بدعت کا زور تھا مسلمانوں میں غلط قسم کی بدعات اور مشرکانہ رسوم ایسی رائج تھیں کہ مسلمان ان کو ثواب اور عبادت سمجھ کر کرتے تھے اور مفاد پرست علماء انگریزی سامراج کے اشاروں پر مسلمانوں میں انتشار وافتراق پیدا کرنے اور اختلافِ مسالک کو فروغ دینے میں منہمک تھے کیونکہ انگریز چاہتا تھا کہ مسلمانوں میں مسلک و نظریات کے اعتبار سے اختلاف

کی خلیج اتنی وسیع ہو جائے کہ کبھی سیاسی و انقلابی مہم میں شیر و شکر ہو کر شانہ بشانہ جنگ نہ کر سکیں اسلئے بدعت پرست رہنماؤں کو حکومت کی جانب سے ہزار ہا مراعات ملتی تھیں اور ہر موقعہ پر ان کو غالب رکھنے کی سعی کی جاتی تھی حضرت اس ضلالت و جہالت کے فروغ سے بہت ملول تھے اور ان بدعات کو دور کرنے کے لئے ہر ممکن تدبیر کو زیر عمل لاتے تھے مواعظ اور تقاریر کا رخ بھی ملحدانہ رسوم و بدعات کی بیخ کنی کی جانب ہوتا تھا جسکے باعث حضرت کو بار بار مناظرہ کرنے کی نوبت آئی اور بفضل ایزدی ہر مناظرہ میں کامرانی سے سرفراز ہوئے مبتدعین کے علاوہ غیر مقلدین سے بھی مناظرہ کرنے کا اتفاق ہوا آریہ سماج کے لیڈروں سے بھی بار ہا نوک جھونک ہوئی لیکن عزاسمہٗ نے ہر موقعہ پر حضرت کو غلبہ نصیب فرمایا اور آپ کی وجہ سے غلط بدعات و رسوم کو بہت حد تک ختم فرما دیا۔

آپ کی ان سرفروشانہ اور بے بیکارانہ خدمات پر آپ کے اساتذۂ دار العلوم بھی خراج تحسین پیش کئے بدون نہ رہ پائے تھے آپ کے مناظروں کو باقاعدہ طور پر طبع بھی کیا گیا ہے جس کے بہت سے اخبارات و رسائل نے اقتباسات بھی شائع کئے۔

مخلصانہ ایثار و قناعت اور اسکے نتائج

حضرت نے زمانہ تدریس کا بیشتر حصہ مدرسہ شاہی میں ہی گذارا اور دینی تعلیم اور اسلامی عقائد و نظریات کی جسقدر اشاعت ممکن تھی کی حالانکہ یہاں بھی اندرونی کشمکش کے اثرات ظہور پذیر ہونے لگے تھے مگر حضرت کے پائے استقلال میں کبھی لرزش پیدا نہ ہوئی اور ہمت و جسارت سے نصرت ایزدی پر یقین رکھتے ہوئے اپنی دینی و ملی خدمات انجام دیتے رہے

دوران قیام مختلف مقامات سے ارباب مدارس نے حضرت کو بلانے کی کوشش کی مگر حضرت نے مدرسہ شاہی کی قلیل تنخواہ پر ہی کفایت و قناعت کرتے ہوئے بڑی سے بڑی تنخواہ کی پیشکش کو ٹھکرا دیا جس کی وجہ سے حضرت اپنے اکابر و اصاغر کی نظر میں مزید مقبول و پسندیدہ ہوگئے

مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ صوبہ بہار سے حضرت کو برائے تدریس بلایا گیا اور ایک سو پچاس روپیہ مشاہرہ دینے کی پیشکش کی گئی اسوقت جبکہ مدرسہ شاہی میں صرف بچیس روپیہ مل رہے تھے لیکن حضرت نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میں جن اکابر کے حکم اور مشورے سے یہاں آیا ہوں ان کی مرضی کے بغیر دوسری جگہ جانے کا

قصد بھی نہیں کر سکتا مدرسہ امدادیہ جو مدرسہ شاہی کے عقب میں واقع ہے اس کے صدر مدرس حضرت مولنا مرتضیٰ حسین صاحب نے حضرت کو اپنے مدرسہ میں رکھنے کی بھرپور کوشش کی مگر حضرت نے ان کے یہاں رہنے اور پچھتر روپیہ ماہوار تنخواہ لینے کو بھی مدرسہ شاہی کی مدرسی اور قلیل تنخواہ کے بالمقابل ترجیح نہ دی اور مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ ہی معذرت ظاہر کردی شہر کلکتہ کے مدرسہ عالیہ کی جانب سے بھی آپ کو بلانے کی کوششیں کی گئیں اور تین سو پچاس روپیہ ماہوار کا مشاہرہ اسوقت دینے کو کہا گیا جب آپ کو صرف ساٹھ روپیہ مدرسہ شاہی سے مل رہے تھے لیکن حضرت نے وہاں کے لئے بھی نکیر فرمادی مگر جب اصرار حد سے آگے بڑھ گیا تو حضرت کو صاف طور پر تحریر کرنا پڑا کہ میں سرکاری ملازمت کو جائز نہیں سمجھتا حضرت کے اس جذبہ نے ظاہر کردیا کہ حضرت کبھی کسی لالچ اور دباؤ کا اثر قبول نہیں کر سکتے اور نہ ہی کسی دنیاوی منفعت کے آگے سر تسلیم خم کر سکتے اسی وصف خاص کی بنا پر آپ نے تھوڑے ہی عرصہ میں ترقیات کے وہ مراحل طے کر لئے جو بعض آپ کے اکابر سے بھی نہ کئے تھے ایثار و اخلاص قناعت اور کفایت شعاری کی یہ مثال قرون اولیٰ کی یاد تازہ کرنے کیلئے کافی تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وہ زندگی جس کی جانب قرآن کریم میں اشارہ کیا گیا وَیُؤثِرُونَ عَلٰی اَنفُسِھِم وَلَو کَانَ بِھِم خَصَاصَۃٌ

کے اثرات حضرت میں بھی کامل طور پر پائے جاتے تھے انہیں اثرات نے حضرت کے تمام اساتذہ و اکابر کی قلبی توجہات کو حضرت کی جانب مرکوز کر دیا تھا بالخصوص حضرت علامہ شاہ صاحب کشمیری فقیہ امت مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ صاحب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کی تمام تر مخلصانہ و مشفقانہ توجہات حضرت کی شخصیت کے ساتھ ہی وابستہ تھیں دارالعلوم دیوبند میں جب علما اسکیم کا اجلاس یا انعامی جلسے منعقد ہوتے تو حضرت شاہ صاحبؒ آپ کو ضرور مدعو کرتے اور ان جلسوں میں آپ سے تقریریں کراتے حضرت شاہ صاحبؒ نے بارہا اپنے اسباق بھی آپ کو دئے ہیں حضرت شیخ الاسلامؒ بھی اکثر اجلاس میں آپ کو شرکت کی دعوت دیتے

حضرت شیخ کے زمانۂ حیات میں بھی آپ نے بارہا جمعیۃ العلماء ہند کے جلسوں میں اور سالانہ کانفرنسوں کی صدارت کی حضرت شیخ اکثر اہم سفروں میں بھی آپ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے بخاری شریف کے اختتام کے مواقع پر ضرور آپ کو دعوت دیتے اور آخری حدیثیں بھی آپ سے پڑھواتے گویا آپ مدرسہ شاہی کی مدرسی کے زمانہ میں بھی بالواسطہ دارالعلوم کے مدرس رہے حضرت شیخ الاسلام جب جیلوں میں جاتے یا سیاسی امور میں زیادہ عرصہ تک انہماک کے مواقع آتے تو آپ کو ہی اپنی جگہ مقرر فرما دیتے اور آپ نہایت خوش اسلوبی شیخ الاسلام کی ذمہ داریوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچاتے

دارالعلوم دیوبند سے وابستگی

چنانچہ جب انگریز نے حضرت شیخ الاسلام کو گرفتار کر کے نینی جیل بھیجا اور دارالعلوم میں درس بخاری کا سلسلہ منقطع ہوا تو حضرت شیخ الاسلام نے آپ کو مکتوب تحریر کیا جس میں دارالعلوم پہونچکر بخاری شریف کا درس دینے کیلئے لکھا تھا آپ نے حضرت شیخ کا حکم منظور فرما کر اس خدمت کے لئے آمادگی ظاہر کی لیکن دارالعلوم کے انتظامی عملہ کی جانب سے طلب کئے جانے کا انتظار کیا کچھ عرصہ بعد دارالعلوم کے دفتر اہتمام کی جانب سے شیخ الاسلام کی جگہ خدمت انجام دئیے کیلئے آپ سے درخواست کی گئی تو آپ سنہ ۴۲ھ میں دارالعلوم تشریف لے گئے اور بخاری شریف کا درس دینا شروع کر دیا درس کا وہی طرز رکھا جس طرز سے حضرت شیخ الاسلام پڑھاتے تھے حضرت شیخ کا معمول تھا کہ دن میں تین گھنٹہ مسلسل درس بخاری دینے کے علاوہ رات کو بعد العشاء بھی دو گھنٹے بخاری شریف کا سبق پڑھاتے تھے حضرت نے اس معمول کو بھی نہایت جانفشانی اور خوش اسلوبی سے پورا کیا خداوند قدوس جن شخصیات کی زندگی اپنی مرضیات کیلئے منتخب فرماتا ہے ان میں گوناگوں صلاحیتیں اور قوتیں پیدا فرما دیتا ہے عام طور سے جس شخص کا علمی مزاج

ہوتا ہے وہ انتظامی صلاحیتوں سے عاری رہتا ہے اور جس شخص میں انتظامی صلاحیتیں ودیعت کی جاتی ہیں اس کا خالص علمی مزاج نہیں رہ پاتا لیکن حضرت جہاں تقریر و تحریر اور تدریس میں اعلیٰ کمال رکھتے تھے وہیں انتظامی امور کو انجام دینے میں آپ کو خاص ملکہ تھا قدرت نے آپ کو بے پناہ خوبیوں سے نوازا تھا چنانچہ آپ درس حدیث میں اس قدر انہماک رکھنے کے باوجود تعلیمات سے متعلقہ انتظامی امور کو بھی نہایت مستعدی اور فعالیت سے انجام دینے لگے اور اس طرح آپ کو دارالعلوم کا قائم مقام صدر المدرسین بھی قرار دیدیا گیا ۴۵ء میں جب ملک میں عظیم انتخاب کا موقع آیا اور کانگریس کو الیکشن میں کامیاب کرانا ضروری ہو گیا تو حضرت شیخ الاسلامؒ نے پانچ ماہ کی رخصت لیکر انتخابی سرگرمیوں میں حصہ لے لیا اس موقع پر بھی حضرت کو درس حدیث کی ذمہ داری پورا کرنے کیلئے بلایا گیا آپ نے پوری مدت درس حدیث دینے کے ساتھ انتظامی فریضہ کو بھی انجام دیا اور شیخ الحدیث وصدر المدرسین کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے دارالعلوم کے فرائض منصبی کو کما حقہ پورا کیا اور بھی بیشتر مواقع پر شیخ الاسلام نے حضرت کو اپنے جانشین کی حیثیت سے دارالعلوم میں کام کرنے کا موقع دیا حتی کہ جب ۷۶ھ کے اواخر میں حضرت شیخ الاسلام پر غیر معمولی ضعف ونقاہت کا دوران ہوا اور یہ ابتدائی

بیماری رفتہ رفتہ مرض الوفات کی شکل اختیار کر گئی تو انھوں نے حضرت کو ہی اپنی جگہ خدمت حدیث انجام دینے کے لئے بلا لیا اس دوران شیخ الاسلام کو کئی بار مرض سے افاقہ بھی ہوا لیکن انھوں نے حضرت کو ہی اس خدمت پر مامور رکھا کیونکہ شیخ الاسلام حقیقت و معرفت اور شریعت و طریقت کے تمام مراحل طے کئے ہوئے تھے اور روحانی کمالات سے متصف تھے اس لئے شیخ الاسلام پر اپنی وفات کے آثار نمایاں ہونے لگے شیخ الاسلام کو اپنی رحلت کا یقین ہو چکا تھا یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنی وفات سے تقریباً آٹھ ماہ قبل حضرت کو مراد آباد سے بلا کر اپنی جگہ متعین کر دیا تھا اور جب حضرت دیوبند مدنی منزل میں تشریف لائے تو شیخ الاسلام نے دار العلوم کی خدمت حدیث سپرد کرتے ہوئے فرمایا ؎

یہ چمن یوں ہی رہیگا اور ہزاروں بلبلیں

اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گی

جسوقت شیخ الاسلام کی زبان سے یہ الفاظ صادر ہو رہے تھے تو سینکڑوں معتقدین و مریدین زار و قطار رونے لگے خود حضرت بھی آبدیدہ ہو گئے تھے اس وقت حضرت شیخ نے دنیا کے فانی ہونے پر مختصر تقریر کی جس سے تمام اہل نسبت سمجھ گئے تھے کہ یہ شیخ کا آخری وقت ہے لیکن منظوری

قدرت کے سامنے کسی انسان کا کیا چارہ اور انسانی قوتیں مشیتِ ایزدی کے مقابلہ میں کر بھی کیا سکتی ہیں فخر الاسلام پر اسی وقت سے غم و اندوہ کی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور اسی حزن و ملال کے عالم میں آپ نے درس بخاری اور دیگر متعلقہ امور کو بروئے عمل لانا شروع کر دیا

حضرت شیخ الاسلام جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ کے اوائل میں وصال فرما گئے ان کے وصال کے بعد دار العلوم کے ارباب انتظام گہری تشویش کا شکار ہوئے کہ آخر دار العلوم کی صدر نشینی و مسند حدیث کے لئے کس شخصیت کا انتخاب کیا جائے۔

دار العلوم میں اس وقت دو ہی اہم شخصیتیں موجود تھیں ایک فخر الاسلام اور دوسرے حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ بعض ارکان شوریٰ شیخ الاسلام کا جانشین حضرت فخر الاسلام کو بنانا چاہتے تھے اور بعض علامہ مرحوم کو بعض ارکان حضرت فخر الاسلام کو صدر المدرسین اور حضرت علامہ کو شیخ الحدیث منتخب کرنے کے خواہاں تھے بالآخر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند اور مولانا محمد میاں صاحب دوپہر کے وقت فخر الاسلام کے پاس تشریف لائے فخر الاسلام اس وقت مدنی منزل میں قاری اصغر صاحب کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد مہتمم صاحب نے فرمایا کہ ارکان شوریٰ کی خواہش یہ ہے کہ آپ شرف اشر

پڑھائیں اور علامہ کو بخاری دیدی جائے فخر الاسلام نے کہا
اس تقسیم کا سوال تو اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ میں رہوں
مجھے تو رہنا نہیں ہے حضرت مدنی علیہ الرحمۃ نے مجھے حکم دیا
تھا کہ میں ان کے قائم مقام کی حیثیت سے خدمت حدیث
انجام دوں میں اس حکم کو بجالا رہا اب جبکہ اصل موجود نہیں
ہے تو قائم مقام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اب مجھے مدرسہ
شاہی میں اپنے اصل مقام پر درس حدیث دینا ہے حضرت
مہتمم صاحب نے ہر چند کوشش کی مگر حضرت نہیر ہی فرماتے
رہے کئی روز تک شوریٰ کا اجلاس ہوتا رہا اور اس کے نمائندے
حضرت سے ملاقات کرتے رہے لیکن حضرت کے جانثاروں کو
یہ ہرگز گوارہ نہ تھا کہ جس شخصیت کو شیخ الاسلام اپنی حیات
میں اپنے نائب مناب کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع مرحمت
فرماتے تھے آج اس کا اصل جانشین دوسرے کو بنایا جائے
اور اس کو خانہ پری کیلئے برائے نام رکھ لیا جائے اسلئے حضرت
اگر اس حیثیت سے کام کرنے پر اظہار رضامندی بھی کرنا چاہتے
تھے تو حضرت کے محبین و مخلصین اور حضرت شیخ الاسلام کے معتقدین
و مریدین ایسا نہ ہونے دیتے تھے۔
جس کی وجہ ارباب شوریٰ غیر معمولی کش مکش میں پڑے
رہے اور کوئی حل نہ نکال سکے۔

غیبی فیصلہ کے تحت امارت خدمت

لیکن دارالعلوم جیسے منبع روحانیت ادارہ کیلئے غیبی فیصلہ کا صدور کسی حیرت و استعجاب کا موجب نہیں وہاں انوار و تجلیات کے مظاہرے قدرت کی کرشمہ سازیوں کی غمازی کرتے ہیں اور جمیع اکابر علماء و صلحاء کی تمام تر روحانی توجہات کا محور رہنے کی دلیل پیش کرتے ہیں اسی لئے دارالعلوم کو عالم مثال سے ایک خاص نوعیت کا تعلق ہے جس کا ادراک ہر کس و ناکس کے لئے امتناع کا درجہ رکھتا ہے صرف صاحب بصیرت افراد ان لطائف کا احساس کر سکتے ہیں ۔

دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے
آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشہ دیکھے

غرضیکہ ارباب شوریٰ کی کشمکش و پیچ کو ختم کرنے کے لئے قدرت نے ایک ایسے فیصلے کے آثار عالم موجودات میں ظہور پذیر کر دئے جس کے مقدمات عالم مثال میں طے ہو چکے تھے چونکہ حضرت مولٰنا قاری محمد طیب صاحب بحیثیت ذمہ دار زیادہ تشدد میں مبتلا تھے اور کسی آخری اور صحیح نتیجہ پر جلد پہونچنے کیلئے مضطرب تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو خواب کے ذریعہ

مناسب فیصلہ سے مطلع کر دیا حضرت مہتمم صاحب نے خواب
میں دیکھا کہ حضرت شیخ الاسلام ایک اونچے مقام پر جلوہ
افروز ہیں ارکان شوریٰ آپ کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں حضرت
شیخ الاسلام نے مجھ سے سوال کیا کہ میری جگہ کو پر کرنے
کے لئے کس کا انتخاب کر رہے ہو میں نے عرض کیا کہ حضرت ابھی
تک تو ہم کشمکش میں پڑے ہوئے ہیں کسی نتیجہ پر نہیں پہونچ
سکے شیخ الاسلام مسکرائے اور فرمایا کہ ابراہیم کو ترمذی دیکر
صدر المدرسین بنا دو اور فخر الدین کو بحیثیت شیخ الحدیث بخاری
پڑھانے کے لئے مقرر کر دو شیخ الاسلام کا یہ فیصلہ سنکر ہم
سب خوش ہوئے اور شیخ الاسلام سے سلام و مصافحہ
کر کے لوٹ آئے۔

حضرت مہتمم صاحب نے یہ پورا خواب مجلس شوریٰ میں پیش
کیا اور ارکان نے اس کو بسر و چشم قبول کرتے ہوئے حضرت
فخر الاسلام سے منظوری لینے کے لئے مجاہد ملت مولنا حفظ الرحمٰن
وغیرہ کو مدنی منزل بھیجا حضرت فخر الاسلام نے اس خواب کو
فیصلۂ غیبی متصور فرماتے ہوئے قبول کر لیا اور صرف بخاری
شریف کا درس دینے پر رضامند ہو گئے حضرت علامہ مرحوم
نے بھی اپنے لئے صدارت اور درس ترمذی کا انتخاب
پسند فرما لیا! اور اس طرح دار العلوم اختلاف و
انتشار کے طوفان سے محفوظ رہ گیا۔

قدرت کے عجائب

سنہ سے حضرت فخرالاسلام نے درس بخاری کے جس سلسلہ کا آغاز کیا وہ اپنی حیات کے آخری لمحات تک جاری رکھا جس پر ہر خاص وعام بے حد تعجب کیا کرتا تھا اور قدرت کی عجوبہ سازیوں پر انگشت بدنداں رہ جاتا تھا

قدرت کی جانب سے حضرت کے ساتھ جہاں دیگر خصوصیات وابستہ تھیں وہیں حضرت کا اپنے ضعف کے باوجود اتنے عرصہ باحیات رہ کر اپنے فرائض منصبی کو انجام دینا قدرت کے عجائبات سے تعلق رکھتا ہے حضرت نوجوانی کے زمانہ سے ہی بہت زیادہ کمزور تھے غیر معمولی نزاکت اور لطافت نے ضعف و نقاہت کی شکل اختیار کر لی تھی بلکہ بعض ہم عمر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ہم نے شاید حضرت کی جوانی کا زمانہ دیکھا ہی نہیں کیونکہ حضرت پر شیخوخت کے آثار بوجہ عظمت بہت جلد نمایاں ہونے لگے تھے زمانہ طالب علمی میں مسلسل راتوں کا جاگنا مناسب اور ضروری غذاؤں کا دستیاب نہ ہونا غموم وہموم کا پے درپے حملہ آور ہونا حضرت کی کمزوریوں کے اصل اسباب میں داخل ہے۔

جس وقت آپ بحیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم میں مقرر کئے گئے اکثر لوگ یہ گمان کرتے تھے کہ مشکل سے حضرت دو تین

سال پورے کرسکیں گے لیکن خداوند قدوس نے اسکے بعد بھی حضرت سے پندرہ سال تک مسلسل خدمت حدیث لی جو حد درجہ استعجاب اور حیرت کا باعث ہے حضرت کے بعض ہم عصر علماء حق کے متعلق لوگوں کا قوی گمان تھا کہ یہ حضرت کے بعد بخاری پڑھا سکیں گے وہ حضرت سے پہلے ہی اللہ کو پیارے ہو گئے اور حضرت ان کے بعد تک اہم خدمات انجام دیتے رہے ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْم

دار العلوم کی صدر نشینی

جس طرح مسند حدیث کائنات ارضی کے تمام مناصب میں غالی و عالی ہے اسی طرح دار العلوم کی مسند صدارت بھی کسی کم اہمیت کی حامل نہیں ہے یہ امتیاز صرف اسی درسگاہ کو حاصل ہے کہ یہاں اس مسند کے لئے ہمیشہ آفتاب و ماہتاب منتخب ہو کر اپنی ضیاء پاشیوں اور نور افشانیوں سے تمام عالم کو بقعۂ انوار بناتے رہے ہیں اور تمام بندگان خدا کو تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ راہ ہدایت پر گامزن کرتے رہے ہیں سب سے پہلا عارف باللہ اور منبع حسنات و کمالات شخص وہ تھا جس کو لوگ مولانا محمد یعقوب صاحب کے نام سے یاد کرتے ہیں اور جس کو دار العلوم کا سب سے پہلے مرحلہ میں صدر المدرسین بننے کا فخر حاصل ہے دوسرے مرحلہ میں

شیخ الہند حضرت مولا محمود الحسن صاحب کی عظیم شخصیت ہے جو جملہ علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھنے کے ساتھ ملک وملت کے لئے بیش بہا قربانیاں پیش کرنے کا فخر رکھتی ہے جس کی معقولات ومنقولات میں شہرۂ آفاق حیثیت نہ صرف ہندوستان بلکہ برّ اعظم ایشیا کی حدود کو پار کر چکی تھی جس کو علماء عالم نے متفقہ طور پر شیخ العرب والعجم تسلیم کیا اور اس کے کمالات ظاہری و باطنی پر مہر اجماع ثبت کر دی تیسرے مرحلہ میں کنز العلوم حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کا انتخاب زیر عمل آیا حضرت شاہ صاحب کی شخصیت بھی محتاج تعارف نہیں شاہ صاحب کو معقولات کے علاوہ فقہ وحدیث پر خاص بصیرت حاصل تھی اور شاید کوئی فن ایسا رہا ہو جو شاہ صاحب کی دسترس سے خارج ہو شاہ صاحب ہر علم میں اتنا کمال رکھتے کہ تمام علماء عصر آپ کو چلتا پھرتا کتب خانہ کہنے پر مجبور رہتے چوتھے مرحلہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ دار العلوم کے صدر منتخب کئے گئے جو ہر میدان کے شہسوار تھے اور علم وفن کی جملہ اقسام پر حاوی ہونے کے ساتھ شریعت اور طریقت کے مسلمہ امام تھے شیخ الاسلام کی شخصیت اور دار العلوم کی مسند صدارت کی اہمیت کا اندازہ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب کے ان گرانقدر الفاظ سے ہو جاتا ہے

جو انھوں نے مکتوبات مقدسہ میں سپرد قلم کئے ہیں جن کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

آپ کی مرکزی شخصیت اس وقت دار العلوم کے جس عہدہ پر فائز ہے وہ روائتی طور پر محض مدرسی یا صدر مدرسی کا عہدہ نہیں بلکہ ہمیشہ ایک عمومی مقتدا ئیت کا عہدہ رہا ہے جس کی طرف رجوع عام ہوتا ہے اور جس کے لئے منجانب اللہ ہمیشہ ایسی ہی ممتاز شخصیتیں منتخب ہوتی رہی ہیں امتیاز ہمیشہ مناسب وقت فضائل اور کمالات کے معیار سے رہتا آیا ہے الخ صفہ ۵۴ ج ۱

مسندِ صدارت پر فائز ہونیکے بعد

حضرت شیخ الاسلام کے بعد علامہ ابراہیم بلیاوی مسند صدارت پر جلوہ افروز ہوئے علامہ مذکور بھی منطق فلسفہ معانی بیان اور اصول میں خاص امتیازی شان رکھتے تھے مذکورہ عقلی علوم کی بعض کتابوں کو علامہ نے شرح اور حاشیہ آرائی سے بھی زینت بخشی ہے علامہ موصوف کے وصال کے بعد یہ مسند عظیم حضرت فخر الاسلام سے مزین ہوا یوں تو حضرت بحیثیت شیخ الحدیث بھی کافی ذمہ داریوں کو انجام دیتے تھے اور دوسرے اساتذہ کی بہ نسبت۔ وہ

ردیف زیادہ محنت کرتے تھے لیکن مسند صدارت پر رونق افروز ہونے کے بعد فرائض اور اختیارات وسیع سے وسیع تر ہونے کے باعث حضرت کی ذمہ داریاں مزید بڑھ گئیں بحمد اللہ تعالیٰ حضرت نے ان کو بہت ہی احسن اور احسن طریقے پر انجام دیا اور کبھی رکن شوریٰ یا اپنے کسی مخالف کو انگشت نمائی کا موقع فراہم نہ ہونے دیا حالانکہ حضرت نے کبھی کسی کے اعتراض یا مخالفت کی پرواہ نہیں کی اور نہ ہی کسی کو حضرت کے متعلق اعتراض بینی اور نکتہ چینی کرنے کی ہمت وجرأت تھی بلکہ آپ اپنی ذمہ داریاں اللہ کی رضا جوئی کے پیش نظر پورا کرتے تھے اور خوشنودی رب ہی آپ کی زندگی کا مقصد اور نصب العین تھا۔

احساسِ فرائض

چنانچہ آپ درس بخاری سے پیشتر دو تین گھنٹہ روزانہ دفتر تعلیمات تشریف لاتے تمام کاغذات کا بنظر خود معائنہ فرمانے کے بعد دستخط ثبت فرماتے تمام ملازمین کی کارکردگی کا محاسبہ فرماتے طلباء کی حاضری وغیر حاضری کا تناسب علم میں لاتے مدرسین کی رخصتوں کو چیک فرماتے اکثر وبیشتر مدرسین کی کارکردگی کا معائنہ کرنے کی خاطر درس کے دوران درسگاہوں کی جانب تشریف لیجاتے کبھی چھپ کر استاذ کا سبق سنتے اور کبھی سامنے آکر مدرس کی پختگیٔ حوصلہ اور اذعانِ علمی کا مشاہدہ

فرماتے کبھی طلباء سے عبارت پڑھواتے عبارت کے غلط ہوجانے پر بہت زیادہ تنبیہ فرماتے بسا اوقات یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ طلباء سبق پڑھکر درسگاہ سے نکل رہے ہیں اور باہر حضرت کھڑے ہوکر ان سے پڑھے ہوئے سبق سے متعلق استفسارات فرما رہے ہیں طالب علم کے صحیح جواب دینے پر اظہار مسرت فرماتے ہوئے دعائیں دیتے اور غلط جواب پاکر برافروختہ ہوجاتے کبھی کبھی اس مسئلہ سے متعلق خود ہی پورے شرح وبسط کے ساتھ تقریر فرمادیتے

جیسے ہی تعلیمی گھنٹہ شروع ہوتا حضرت درسگاہوں کی جانب قدم رنجہ ہوکر دیکھتے کہ کون مدرس وقت پر آتا اور کون کتنی تاخیر سے آتا ہے اگر مدرس نصف گھنٹہ تک نہ آتا تو خود ہی بیٹھکر طلباء کو سبق دینا شروع کر دیتے تھے خواہ وہ کتاب کسی فن کسی درجہ سے متعلق ہو ایک مرتبہ شعبہ فارسی کی درسگاہوں کا گشت فرما رہے تھے ایک درسگاہ میں استاد کو غیر حاضر پاکر اس گھنٹہ میں ہونے والی کتاب میزان کو پڑھانا شروع کردیا تمام طالب علم حیرت زدہ تھے کہ دارالعلوم کا شیخ الحدیث اور صدرالمدرسین اتنی معمولی کتاب پڑھانے میں کسی قسم کی عار محسوس نہیں کر رہا دوران درس ہی اس درجہ کے استاذ آگئے حضرت کو پڑھاتے دیکھکر گردن شرم سے خم کر لی حضرت نے ان کی جانب دیکھا اور کچھ نہ کہا بلکہ سبق پورا کرانے بعد خاموشی سے لوٹ

آئے لیکن وہ استاد سرتاپا ندامت بن گئے اور آئندہ کبھی گھنٹہ پر پہونچنے میں تاخیر نہیں کی حضرت کی اصلاح کا یہی طریقہ تھا جس کی بنا پر تمام شعبہ جات کے اساتذہ پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنا کام پورا کرنے لگے تھے۔

حضرت اساتذہ کو خطاب کرتے ہوئے اکثر فرماتے تھے کہ درسگاہ میں وقت پر پہونچنے کی۔ زیادہ ذمہ داری مدرسین پر عائد ہوتی ہے طلباء و مدرسین کا طریق اختیار کرتے ہیں مدرسین کو سست اور غفلت پرست پاکر وہ بھی جمود اور تعطل کا شکار ہوجاتے ہیں اور سبق یا کتاب کی کوئی عظمت ان کے قلب میں نہیں رہ پاتی جب کتاب کی عظمت سے وہ بے بہرہ ہو جاتے ہیں تو پھر کتاب پڑھانیوالے کی عزت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا خود حضرت بھی وقت کی بہت زیادہ پابندی کرنے کے عادی تھے صبح کا پہلا گھنٹہ لگتے ہی بخاری شریف کا مطالعہ فرماتے دوسرے گھنٹہ دفتر تعلیمات تشریف لیجاتے اور وہاں اپنے فرائض کو پورا کرنے میں مشغول ہو جاتے تیسرے گھنٹہ کے آخر میں دارالحدیث تشریف لے آتے آپ کے پہونچنے کے بعد طلباء بھی درس ترمذی سے فارغ ہوکر جوق در جوق دارالحدیث تحتانی پہونچ جاتے چوتھا گھنٹہ لگتے ہی حاضری شروع ہو جاتی اور پھر بخاری کا سبق شروع کر دیا جاتا جس کا سلسلہ عام تعطیل کے دو گھنٹے بعد تک جاری رہتا۔

حضرتؒ کے شب و روز

ظہر کی نماز کے بعد حضرت اخبار وغیرہ دیکھتے اور بعض دوسری علمی کتابوں کا مطالعہ فرماتے کبھی تعلیمات سے متعلقہ کوئی کام آپ کی رہائش گاہ پر پہونچ جاتا تو اس کو بھی اسی وقت انجام دیتے درسگاہوں کی نگرانی کے لئے بھی حضرت بعد الظہر تشریف لے جاتے عصر کی اذان پر چائے نوش فرماتے اور پھر عصر کی نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے نماز عصر کے بعد حضرت کے یہاں عام مجلس ہوتی تھی جس میں اساتذہ و تلامذہ کے علاوہ اہل شہر اور باہر سے آئے ہوئے مہمان بکثرت شریک ہوتے اور حضرت سے مختلف ادبی علمی دینی اور سیاسی سوالات کر کے اپنی معلومات میں اضافہ کرتے مغرب کی نماز کے ایک گھنٹہ بعد تک حضرت اوراد و وظائف میں منہمک رہتے پھر شام کو کھانا تناول فرماتے عشاء کی اذان کے فوراً بعد نماز کی تیاری میں مصروف ہو جاتے نماز عشاء سے فراغت پا کر کچھ دیر مطالعہ فرماتے پھر سو جاتے عموماً رات کو دو تین بجے بیدار ہو کر وضو وغیرہ سے فراغت پانے اور ذکر اللہ میں مشغول ہو جاتے رکعات تہجد ادا کرنے کے بعد طویل دعا فرماتے اکثر و بیشتر آپ کو اتنا روتے ہوئے دیکھا گیا کہ آپ کی ہچکیاں بندھ جاتیں آواز کو ضبط کرنے کی کوشش کرتے لیکن ڈوبے ہوئے دل سے نکلنے والی آواز

کے لئے کون شے رکاوٹ بن سکتی ہے اللہ کے عشق میں ڈوبی ہوئی سوز و اضطراب سے بھری ہوئی زہد و تقوی کے نتائج سے متصف قوم و ملت کے درد سے بھرائی ہوئی آواز کو کوئی آہنی دیوار بھی روکنے کی قوت نہیں رکھتی حضرتؒ کی آہ و بکا کے اثرات دوسروں کے قلب و جگر کو بھی آغوش عشق و محبت میں لئے بغیر نہ رہتے تھے اس وقت جو بھی حضرت کے رقت آمیز دعائیہ الفاظ سنتا اس کا قلب جاری ہو جاتا اور تقویٰ و خشیت کے اثرات اس پر مرتب ہونے لگتے صلوٰۃ تہجد سے فارغ ہو کر حضرت مسنون طریقے کے مطابق کچھ دیر آرام کرنے کیلئے لیٹ جاتے پھر فجر کی نماز کے لئے تیار ہو جاتے نماز فجر کے بعد وظائف سے فراغت پا کر ناشتہ کرتے حضرت کا ناشتہ ہی کیا تھا صرف ایک کپ چائے اور اس کے ساتھ ایک انڈے کی زردی یا ایک بسکٹ کے استعمال کا نام ناشتہ تھا اکثر ایام میں تو صرف کسی معجون یا خمیرہ کے ساتھ چائے پر اکتفا کر لیتے ناشتہ ہی کی کیا تخصیص ہے حضرت تو کھانا بھی بہت مختصر تناول فرماتے تھے ایک چپاتی جو زیادہ سے زیادہ ایک چھٹانک آٹے کی ہوتی تھی صرف وہی آپ کی خوراک تھی کبھی آپ کو اس سے زیادہ کھاتے نہ دیکھا گیا کیونکہ جن لوگوں کا تعلق مع اللہ ہوتا ہے وہ روحانیت اور نورانیت سے ہمکنار ہونے کے باعث مادی غذاؤں کے زیادہ استعمال سے احتراز کرتے ہیں تاکہ ان کا قلب اثرات روحانی اور

معرفت ربانی کے انوار سے ملتئم رہے ؎

اندروں از طعام خالی دار
تا دروں نورِ معرفت بینی

حضرت کے مصاحبین اکثر فرماتے کہ آپ کھانا ہم سب سے کم کھاتے ہیں اور کام ہم سب سے زیادہ کرتے ہیں ایک مرتبہ حضرت مولانا اسلام الحق صاحب اعظمیؒ استاذ حدیث دار العلوم دارالعلوم دیوبند نے اس قسم کا جملہ حضرت سے کہا حضرت اس پر مسکرائے اور جواب دیا کہ آپ حضرات کے درجہ کمال پر پہونچنے کے باعث مجھے بے فکری اس درجہ ہوگئی ہے کہ کھانے سے بھی استغناء ہوتا جارہا ہے کیونکہ آپ حضرات کے روحانی تصرفات مجھ میں کام کرنے کی قوت پیدا کر دیتے ہیں پھر دوسری قوت کی کیا ضرورت ہے۔

مدنی مجلس

حضرت فخرالاسلامؒ کا حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمتہ سے چونکہ خاص روحانی تعلق رہا اسلئے شیخ الاسلام کے متوسلین و معتقدین فخرالاسلام سے رابطہ رکھنے پر مجبور تھے بالخصوص شیخ الاسلام کے وصال کے بعد حضرت ہی مرجع خاص و عام بنے رہے دارالعلوم کے انتظامیہ اور حلقہ، مدرسین میں شیخ الاسلام

سے تعلق رکھنے والے باہمی مشورے حضرت فخرالاسلام کی قیامگاہ پر کیا کرتے تھے ہر ہفتہ منگل کے دن مغرب کی نماز کے بعد حضرت کی قیامگاہ پر ایک خصوصی مجلس منعقد ہوا کرتی تھی جس میں حضرت مدنی علیہ الرحمتہ سے تعلق رکھنے والے خصوصی عمائدین شرکت کیا کرتے تھے مجلس کی صدارت کے فرائض حضرت فخرالاسلام انجام دیا کرتے تھے اس مجلس میں کھانا تناول کرنے کے بعد چائے نوشی کا دور چلتا تھا دوران طعام اور اس کے بعد مختلف علمی ادبی سیاسی اور سماجی موضوعات پر ارباب مجلس تبادلۂ خیال کرتے اور مختلف نجی امور پر صلاح ومشورے بھی کئے جاتے حضرت فخرالاسلامؒ بھی اپنی رائے عالی سے مستفید فرماتے مجلس میں شرکت کرنے والے حضرات حسب ذیل ہوتے

حضرت مولنا سلطان احمد صاحب ناظم کتب خانہ دارالعلوم دیوبند
حضرت مولنا وحیدالزمان صاحب کیرانوی استاذ ادب ,,
حضرت مولنا انظرشاہ صاحب کشمیری استاذ تفسیر ,,
حضرت مولنا عبدالاحد صاحب مدظلہ استاذ حدیث ,,
حضرت مولنا اسلام الحق صاحب اعظمی مرحوم ,,
جناب مولنا محمد شفیع صاحب محرر محاسبی ,,
جناب مولنا ریاست علی صاحب بجنوری استاذ ادب ,,
جناب مولانا برہان احمد صاحب فاروقی ,,

جناب مولنا دامانی صاحب خلیفہ شیخ الاسلام
جناب حاجی سلیم اللہ صاحب
جناب مولنا سیف اللہ صاحب بھاگلپوری خادم خاص
جناب مولنا شمیم احمد صاحب سکریٹری جمیعۃ علماء ضلع سہارنپور
واستاذ دارالعلوم دیوبند

ان حضرات کے علاوہ کبھی کبھی حضرت مولنا سید اسعد مدنی صاحب مدظلہ العالی اور مولنا لقمان الحق صاحب فاروقی صدر المدرسین مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ اور دیگر عمائدین ملت کو بھی شرکت کا شرف حاصل ہو جاتا تھا مجلس کے اختتام پر حضرت فخر الاسلام دعا کراتے جس میں حضرت شیخ الاسلام کی روح مقدسہ کیلئے ایصال ثواب کے علاوہ عامۃ المسلمین کی دینی اور دنیوی ترقی اسلام کے عروج شریعت مطہرہ کے فروغ دینی تعلیم کے ارتقاء اور اتحاد بین المسلمین کے احیاء کے لئے دعا کی جاتی شرکت کرنے والوں کیلئے عجیب سا روحانی منظر ہوتا۔

فخر الاسلام بحیثیت مشیر و سرپرست

حضرت فخر الاسلام اعلی ذہانت اور کمال فطانت سے متصف ہونے کے باعث ارباب عقل و دانش کے لئے بھی محتاج الیہ کی حیثیت رکھتے تھے بالفاظ دیگر اگر یوں کہا جائے کہ حضرت مسلمانان عالم کی صلاح و فلاح کے علمبردار

اور ان کی اجتماعی اور انفرادی ضروریات کی تکمیل کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتے تو یہ قطعاً بیجا نہ ہوگا کیونکہ عالم اسلام کے عروج کا مینارہ بڑا عظم ایشیاء کا عظیم روحانی ادارہ مرکز دارالعلوم دیوبند بھی حضرت کی عملی کوشش و کاوش کا رہین منت ہے اور اس کے برگ و بار حضرت کی انتھک جانفشانیوں کا نتیجہ ہیں حضرت فخرالاسلام نے زندگی کے ابتدائی حصہ سے آخر دم زیست تک بالواسطہ یا بلاواسطہ اس ادارہ کی تعمیر و ترقی میں بھرپور حصہ لیا ہے اور اس کی آبیاری کیلئے سرچشمۂ قلب و جگر کو اپنی روحانی و عملی خدمات کے عنوان سے ہمیشہ ہمیش کے لئے وا کئے رکھا۔

فراغتِ درس نظامی کے فوراً بعد دارالعلوم میں خدمت تدریس اور اس کے بعد مدرسہ شاہی مرادآباد کے دوران قیام دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن کی حیثیت سے انتظامی امور میں شرکت دارالعلوم سے عظیم دل بستگی اور وابستگی کی غمازی کرتی ہے۔

یہ شرف حضرت کو ہی حاصل رہا کہ دارالعلوم میں مسندِ ولی اللّٰہی پر جلوہ افروز ہونے سے قبل بھی دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے اہم اور قابل اعتماد رکن رہے اور اس کے بعد آخر تک بحیثیت مشیر اپنے فرائض کا انجام دہی میں دلچسپی لیتے رہے حضرت نے جہاں دیگر امور میں دیانت و امانت کو شیوۂ زندگی بنائے رکھا وہیں مشورہ دینے اور اپنی رائے پیش کرنے میں حق گوئی

اور بے باکی کو اپنا شعار بنائے رکھا یہ وصف جیسے حضرت کی طبیعت اور فطرت کا جزو لاینفک بن گیا ہو ہمیشہ تملق اور چاپلوسی سے اجتناب اور صفائی اور بیباکی کو اختیار کرنا حضرت کے لئے لازمی اور ضروری تھا خواہ کوئی خوش رہے یا ناخوش رہے

حضرت خود بھی بارہا فرماتے تھے کہ میں ہر معاملہ میں رضائے الٰہی کو مقدم رکھتا ہوں خواہ میرے متعلقین مجھ سے ناراض ہی کیوں نہ ہو جائیں بس میرا اللہ مجھ سے ناراض نہ ہو اگر تمام کائنات مجھ سے راضی ہو جائے اور خدائے تعالیٰ ناراض ہوں تو زندگی بیکار ہے کیونکہ اس جیسی ہزارہا کائنات بھی خدا کی گرفت سے نہیں بچا سکتیں اور اگر تمام دنیا نقصان پہونچانے کے درپے ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نقصان سے محفوظ رکھنا چاہیں تو کوئی طاقت نقصان پہونچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی وَلَیْسَ بِضَارِّھِمْ شَیْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ

جس بات کو حضرت حق و انصاف کے معیار پر پرکھ لیتے تھے اس کی تائید و تصویب فرما دیتے اور جس کو خلاف انصاف و دیانت متصور فرماتے اس کی برملا تردید فرما دیا کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ تمام ارکان شوریٰ حضرت کا غائت درجہ احترام کرتے اور ان کی رائے عالی کو دل و جان سے زیادہ عزیز رکھنے پر مجبور تھے شوریٰ کے جلسوں کی صدارت کیلئے حضرت کا ہی انتخاب کرتے تھے حضرت کی عدم موجودگی میں ہی کسی دوسرے کو صدر بناتے تھے ورنہ

حقوق صدارت حضرت ہی کے لئے محفوظ تھے اور حضرت بھی ان حقوق کا ناجائز استعمال نہ کرتے تھے بلکہ خلوص وللّٰہیت کے ساتھ اپنے اختیارات کو بروئے کار لاتے تھے اس کی مثالیں ان گنت ملتی ہیں اگر یہاں شمار کرائی جائیں تو سینکڑوں صفحات بھی اس کیلئے ناکافی ہیں بنابریں صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے جس سے حضرت کی للّٰہیت اور دیانت وامانت واضح طور پر آشکارا ہو جائے گی

دیانت کی اعلیٰ مثال

دار العلوم کے ایک مؤقر استاذ مولنٰا قمر الدین احمد صاحب گورکھپوری نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ سے خاص عقیدت رکھتے تھے ان کی علمی مجالس میں بھی مولنٰا کی آمد ورفت بکثرت رہتی تھی فراغت کے بعد جب مولنٰا دہلی کے مدرسے میں بحیثیت مدرس کام کرنے لگے تب بھی حضرت علامہ مرحوم سے خصوصی تعلق رہا اور دیوبند اکثر آنا جانا رہا علامہ مرحوم کی زندگی میں ہی دار العلوم کی مجلس شوریٰ نے مولنٰا قمر الدین صاحب کو مدرس رکھ لیا اور مولنٰا موصوف دار العلوم ہو کر ترقی کے مراحل طے کرتے رہے تاآنکہ حضرت علامہ رحلت فرما گئے اور ان کے بعد نظام صدارت حضرت فخر الاسلام سے متعلق کیا گیا حضرت فخر الاسلام اپنے فرائض کے تحت جب درسگاہوں کا گشت

کرتے تو مولانا موصوف کی درسگاہ کی خاص طور پر نگرانی کرتے
اور کافی دیر تک ان کا درس سنتے جس کے باعث مولانا کو
اندیشہ ہوا کہ حضرت فخرالاسلام شوریٰ ہیں شاید میرے
خلاف رپورٹ پیش کریں اور میرے درس کی خامیاں
شوریٰ کے سامنے رکھیں لیکن حضرت فخرالاسلام سے مجلس
شوریٰ نے جب مدرسین کی کارکردگی کی رپورٹ طلب کی
اور حضرت نے ہر مدرس کے کام کا تجزیہ ارکان شوریٰ
کے سامنے پیش کیا تو مولانا قمرالدین صاحب کے درس کی خاص
طور پر تعریف کی اور کہا کہ مولانا قمرالدین صاحب کافی مطالعہ
کرنے کے بعد درس دیتے ہیں اور جید عالم ہونے کے
ساتھ ساتھ علمی تحقیقات پر بھی پورا عبور رکھتے ہیں کتاب
کے مالہٗ وما علیہ کو سمجھانے کی پوری کوشش کرتے ہیں مولانا
کو جب یہ معلوم ہوا تو حیرت کی حد نہ رہی اور حضرت کی
درازی عمر کے لئے خوب دعا کی اور درس ہدایہ اولین
میں مسرت کا اظہار کرتے ہوئے حضرت کے مذکورہ جملوں
کو دہرایا اور کہا کہ مجھے حضرت سے جیسا اندیشہ تھا حضرت
نے اس کے برعکس کام کیا جو حضرت کے خلوص وللہیت کی
اعلیٰ مثال ہے پھر فرمانے لگے کہ دراصل اللہ تعالیٰ دارالعلوم
کی صدارت کے لئے ایسے برگزیدہ افراد منتخب کرتا ہے
جو علوم وفنون میں یکتائے زمانہ ہونے کے ساتھ عملی
میدان میں بھی انفرادی حیثیت رکھتے ہیں اور منفرد تذکرہ

کے خوف و خشیت سے ان کے قلوب لبریز رہتے ہیں جس کی وجہ سے تمام انسانی کمالات ان کو حاصل ہو جاتے ہیں اور نامناسب اور غیر پسندیدہ چیز دل سے ان کا دامن ہمیشہ ہمیش کیلئے تہی ہو جاتا ہے۔

اوصاف حمیدہ کے اثرات

انھیں صفات نے حضرت کو تمام علمی حلقوں میں مقبول بنا دیا تھا اور تمام ارباب دانش کا رجوع آپ کی جانب ہونے لگا تھا اکثر مصنفین و مولفین اپنی تخلیقات سے متعلق آپ سے مشورہ کرتے اور آپ کے مشورہ کے مطابق اپنی تحریرات کو تکمیل تک پہونچا کر آپ کے پاس لاتے اور تقریظ وغیرہ لکھواتے مدارس عربیہ کے ارباب حل و عقد تمام تعلیمی اور تعمیری امور میں آپ کی رائے حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور آپ کے مشوروں کے مطابق عمل کر کے مدارس کو بام عروج پر پہونچاتے بالخصوص ضلع میرٹھ۔ مرادآباد۔ بلندشہر مظفر نگر سہارنپور اور بجنور وغیرہ کے مدارس آپ کے مشوروں کے تحت چلتے تھے اکثر مدارس کے سالانہ جلسوں میں آپ کی شرکت ہوتی تھی صوبہ مدراس، کیرالا اور بہار و اڑلیسہ کے بیشتر مدارس کو بھی آپ کی سرپرستی کا شرف حاصل رہا۔

دارالعلوم دیوبند کے علاوہ آپ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی

مراد آباد کی مجلس شوریٰ کے قدیمی اور اہم رکن رہے مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کے رکن اور سرپرست رہے جامعہ حسینیہ عربیہ مدرسہ رحمانیہ ہاپوڑ مدرسہ بحرالعلوم اصیل پور اور مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ باولی ضلع رامپور وغیرہ کو اول تاسیس سے حضرت کی سرپرستی کا شرف حاصل رہا دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور و جامعہ منبع الحسنات ویلور مدراس جیسے مدارس بھی حضرت کی زیر سرپرستی رہکر ترقیات کے مراحل طے کرتے رہے۔

۱۱ ذیقعدہ ۱۳۸۷ھ کو حضرت نے ہی منبع الحسنات ویلور کی تعمیر جدید کا سنگ بنیاد رکھا اور ۹۱ھ کے سالانہ اجلاس میں حضرت نے آخری شرکت فرمائی اس موقعہ پر حضرت نے جو تقریر فرمائی اس پر ہر شخص محو حیرت ہو کر آبدیدہ تھا اور حضرت کے آخری ارشادات کو موتیوں کی طرح سمیٹ رہا تھا کیونکہ انداز تقریر خود بتا رہا تھا کہ یہ منبع فیض و روحانیت منبع الحسنات میں آخری بار نور افشانی کر رہا ہے ارباب مدرسہ اس اہم اور قابل قدر شخصیت کو الوداع کہتے ہوئے زار و قطار رو رہے تھے اور اظہار اضطراب کر رہے تھے اب کون ہمارے لئے خضر راہ اور مشعل طریق بن کر تعلیمی اور تنظیمی امور میں ہماری رہنمائی کرے گا اور امت مسلمہ کی زندگی و تابندگی کے لئے اسباب فراہم کرے گا چنانچہ حضرت کے

وصال کے بعد تمام اسلامی مراکز اور دینی مدارس میں رنج والم کے ساتھ یاس و قنوطیت کی لہر دوڑ گئی تھی

فخر الاسلام کی سیاسی زندگی

حضرت فخر الاسلام کی زندگی چونکہ عملی اعتبار سے حضرات انبیاء کرام کے کردار کی نمونہ تھی اسلئے آپ شریعت و طریقت میں اعلیٰ مقام رکھنے کے ساتھ سیاسی اسرار و رموز کو سمجھنے میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے آپ نے جہاں ملت کی دینی و علمی اعتبار سے رہنمائی کی وہیں آپ نے مسلمانوں کو سیاسی لحاظ سے بلند و بالا کرنے والی ہر تحریک میں شرکت کر کے ان کا سچا رہبر ہونے کا حق ادا کر دیا۔

کیونکہ اسلامی قیادت کا مکمل مفہوم یہ ہے کہ مذہب اور سیاست کو یکجا کر کے اہل اسلام کی دنیاوی و اخروی ضروریات کو پورا کیا جائے اور کسی پہلو سے بھی امت مسلمہ کو تشنہ یا دیگر اقوام کا محتاج نہ رکھا جائے آج ہماری قوم کی تباہی اور بربادی کا اصل سبب یہ ہے کہ وہ دینی اعتبار سے جن افراد کو پیشوا مانتی ہے سیاسی معاملات میں ان کی بات نہیں سنتی حالانکہ قرون اولیٰ میں جو شخص مسجد کا امام ہوتا تھا وہی سیاسی اعتبار سے بھی ان کا پیشوا مانا جاتا تھا لیکن جب سے ہماری قوم کے نادان اور بے بصیرت افراد

یہ غرق اس درجہ پر لے آئے کہ دینی رہنما کے مقابلہ میں چند داڑھی منڈے اور خدا بیزار چند باغی اشخاص کی بازاری سیاست کو ترجیح دینے لگے تو آتش مذلت و ہلاکت نے انھیں اپنی لپیٹ میں لے لیا جب کہ ان بوریہ نشین علماء کی سیاسی خدمات بھی روز روشن کی طرح آشکارا ہیں اور تاریخ ان بزرگان دین کی قربانیوں کے صفحات قیامت تک اپنی سرگذشت سے نہیں نکال سکتی۔

حضرت فخر الاسلام نے بھی سیاسی میدان میں ملت مسلمہ کو بام عروج پر پہونچانے کیلئے ہزار ہا مخلصانہ وسرفروشانہ خدمات انجام دیں آپ کی سیاسی خدمات کا آغاز اس دور سے ہوتا ہے جب انگریزی سامراج کے اثرات دنیا کے ہر گوشہ تک پہونچ ہوئے تھے اور دنیا کا ہر ذی روح انگریز کے زہریلے ناگ سے خوف کھاتا تھا جس وقت کے متعلق عوام کی زبان سے یہ الفاظ صادر ہوتے تھے کہ انگریز کی حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا جس وقت انگریز کی سازشیں اسلام اور اہل اسلام کا نام ونشان مٹانے کے لئے پورے طور پر بروئے عمل آئی ہوئی تھیں جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کا متحد شیرازہ منتشر ہو رہا تھا ہر طرف نفسی نفسی کی پکار تھی ترکی کے تحت رہنے والی ریاستوں میں عظیم خلفشار پھیلا ہوا تھا اور قصر خلافت کی عمارتیں منہدم ہونے کے قریب تھیں

انگریز کی فریب کاری اور مکّاری حرم پاک کی تقدیس کو بٹہ لگانے اور بنائے اسلامی کو مجروح کرنے کی حدود میں داخل ہو چکی تھی ہندوستان میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی برٹش گورنمنٹ کے پے بہ پے مظالم سے ہمالیہ کی چوٹیاں متزلزل ہونے لگی تھیں گنگا اور جمنا کا پانی انگریز کے مسلسل ظلم وستم کی تاب نہ لاکر سرخ ہو چکا تھا سرزمین ہند کا ذرّہ ذرّہ سکان ارض کی ستم ظریفیوں سے تنگ آکر مصروف آہ وفغاں تھا فضائے آسمانی مظالم کی انتہا سے عاجز ہو کر مرثیہ گوئی ونوحہ خوانی میں منہمک تھی آزادی کے جانثاروں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تھا حرّیت پسندوں کو نانِ شبینہ تک سے محروم رکھا گیا نغمہ حریت گانے والے بربطوں کو دہکتے ہوئے شعلوں کی نذر کیا جا رہا تھا صدائے حق وانصاف بلند کرنے والے عنادل کو زیر زمیں دفن کیا جا رہا تھا نشانِ عظمت بلند کرنے والی ہری بیتیوں کو سیت شقاوت سے مسلا جا رہا تھا احساس زیست بشر کرنے والی فضا کو طیاروں اور ٹینکوں کی یورش سے چیرا جا رہا تھا اس وقت یہ مرد مجاہد بھی حضرت شیخ الاسلام کی آواز پر لبیک کہکر میدان جہاد میں کمر بستہ ہو گیا اور مالٹا کے قفس و دام سے لیکر نینی جیل کی قید و بند تک ہر خارزار وادی میں قدم رکھتا رہا۔

تحریک خلافت میں شرکت

ان ناگفتہ بہ اور پر آشوب حالات میں ہندوستان کے سربرآوردہ مسلمانوں نے ایک تحریک خلافت کمیٹی کے عنوان سے شروع کی جس میں علماء حق کے علاوہ دوسری اہم شخصیات بھی شریک کار تھیں خلافت کمیٹی کا مقصد ہندوستانی عوام کا ترکی سے رابطہ قائم کرنا تھا تاکہ ہندوستانی عوام میں خود اعتمادی اور استحکام قائم ہو اور دوسری جانب انگریزی ناگ ترکی کی حق پسند تلوار سے خوفزدہ ہو جائے پھول بوٹوں کی خرید و فروخت روپیوں کی تقسیم اور ریشمی رومال کی تحریک بھی بلا لحاظ تقدم و تاخر اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی حضرت فخر الاسلام بھی اپنے مجاہدانہ جذبات کے تحت خلافت کمیٹی کے باقاعدہ ممبر بن گئے اور اپنی سرفروشانہ سرگرمیوں کے نتیجہ میں بہت جلد اعلیٰ مقام حاصل کر کے اہم امور کی انجام دہی میں ہمہ تن منہمک ہو گئے یہ تحریک اپنی کامیابی کے آخری مراحل تک پہونچنے ہی والی تھی کہ ترکی کی خلافت کے خاتمہ کا اعلان کر دیا گیا خاتمۂ خلافت کے پس پشت انگریزی سامراج کا ہاتھ تھا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ ترکی کے تحت رہنے والے چند مسلم ممالک ترکی کی ساکھ بنائے ہوئے ہیں اگر ماتحت ممالک اپنی حریت کا اعلان

کر دیں تو مسلمانوں کی اجتماعی قوت کا آسانی سے خاتمہ کیا جا سکتا ہے
چنانچہ ان بے بصیرت اور خود غرض والیانِ ریاست نے اپنی حریت کا اعلان کر دیا اور ترکی افواج کے مقابلہ کے لئے انگریزوں سے مدد لی سلطان عبد الحمید خاں نے نہایت ہوشمندی سے کام لیا اور حرم پاک کی تقدیس اور باہمی تفریق کا خیال کرتے ہوئے اپنی فوجوں کو مزاحمت کے لئے نہ بھیجا غرض مرکز خلافت کے ٹوٹنے سے ہندوستان میں بھی خلافت کمیٹی ختم کر دی گئی۔

جمعیۃ علماء سے وابستگی

اور اس کے چند ہی سال بعد ہی جمعیۃ علماء ہند کا قیام عمل میں آگیا اس کے تحت رہ کر حریت پرستوں نے ہندوستان کی تاریخ میں ایک نیا انقلاب برپا کر دیا اور تمام ہندستانی اقوام کو آزادی کے ایک دھاگے میں پرو کر متحد و یکجا کر دیا حضرت فخر الاسلام بھی جمعیۃ علماء کے ایک اہم رکن کی حیثیت سے حسب موقع نمایاں خدمات انجام دیتے رہے

۱۸، ۱۹، ۲۰ نومبر ۱۹۲۱ء کو لاہور میں جمعیۃ علماء کا کل ہند عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا جس میں ملک کے گوشہ گوشہ سے آزادی کے متوالے پہونچے اور جمعیۃ کے تحت ہونے والے

ہر پروگرام میں سرگرم عمل رہنے کا یقین دلایا دارالعلوم دیوبند کے طلباء واساتذہ نے اس جلسہ کو کامیاب کرنے کے لئے گردو نواح کے دورے کئے اور ملک کے ہر ہر گوشہ سے مندوبین لیجانے کی کوشش کی چنانچہ ہر صوبہ اور ضلع سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ لاہور پہونچے دیوبند سے امرتسر جانے والی ایک ٹرین میں تمام طلباء اور قرب وجوار کے مندوبین سوار ہو گئے انجن کے آگے جمعیۃ العلماء کا جھنڈا لہرا دیا اور اسی ٹرین کو لاہور تک لے گئے حضرت فخر الاسلام نے بھی مراد آباد امروہہ نجیب آباد بجنور اور قرب وجوار کے بیشتر اضلاع وقصبات کا طوفانی دورہ کیا اور کئی ٹرینیں لاہور کے لئے روانہ کیں خود بھی ایک جم غفیر کی قیادت کرتے ہوئے ۷ ار نومبر کی صبح کو لاہور پہونچ گئے۔

ان دنوں مراد آباد شہر میں عظیم الشان نمائش ہر سال ہوتی تھی اور ریونین کا جیک پورے آب وتاب سے لہراتا تھا نمائش میں بیشتر بیرونی ممالک کی مصنوعات منظر عام پر لائی جاتی تھیں سائنسی ترقیات کے جلوے دکھلائے جاتے تھے اور غریب مسلمانوں کے اذہان کو دین سے برگشتہ کر کے دنیاوی متاع کی آرائش وزیبائش کے ذریعہ مسحور کئے جاتے تھے سادہ لوحی کو دقیانوسی شعار کے مرادف قرار دیکر خدا بیزاری آزاد خیالی

اور ہوس پرستی کا درس دیا جاتا تھا فخر الاسلام نے نمائش کا بائیکاٹ کرنے کی ٹھان لی اور اس کے لئے ہر اس شہر اور قصبہ کا دورہ کیا جہاں کے مسلمان اس میں شرکت کرتے تھے ہر جگہ رضا کار بنائے اور ان کو تمام خفیہ تحریکات سے مطلع کر کے ان سے متعلقہ کام سپرد کیا۔

شہر مراد آباد میں بھی سات سو سے زائد رضا کار تیار کئے اور ان کو ہر قسم کی ٹریننگ دی تاکہ وہ ہر موقعہ پر مناسب رول ادا کر سکیں سب سے پہلی ذمہ داری نمائش سے کلی طور پر علیحدگی اختیار کرنے کے انتظامات سے متعلق تھی جس میں حضرت بفضل ایزدی پوری طرح کامیاب ہوئے مَن جَدَّ وَجَدَ کا کلیہ صادق آیا اور حضرت کی تمام کوششیں بار آور ثابت ہوئیں حضرت نے اپنے مشن کو کامیاب بنانے میں انتھک جد وجہد سے کام لیا تھا شہر کے ہر محلہ اور قرب وجوار کے قصبات و دیہات میں جلسے منعقد کئے بہت سے جلسوں میں حضرت شیخ الاسلام اور حضرت سحبان الہند اور مولنا حفظ الرحمان صاحب وغیرہ کو مدعو کیا مفتی نوڑلہ مراد اباد کے جلسہ میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کو بھی مدعو کیا حضرت شاہ صاحب نے برٹش یونین کی نمائش کو ناکام بنانے کے سلسلہ میں نہایت ولولہ انگیز اور بصیرت افروز تقریر فرمائی سینکڑوں افراد نے اسی وقت نمائش کی شرکت سے توبہ کی اور رضا کارانہ نظام میں ہر قسم کا عملی و مالی تعاون پیش کرنے کا یقین دلایا۔

آزارِ قید و بند

نمائش سے ایک دن قبل حضرت فخر الاسلام کو اس وقت گرفتار کیا گیا جب کہ رضا کاروں کے ایک اجتماع میں نہایت گرم جوشی سے آپ تقریر فرما رہے تھے حضرت کے ساتھ سینکڑوں رضا کاروں نے گرفتاری پیش کی اور حضرت کو حسب حیثیت اے کلاس دی گئی لیکن حضرت زیادہ تر وقت مجاہد رضا کاروں کے ساتھ گذارتے اور تمام مصیبتوں اور مشقتوں میں برابر کے شریک رہتے

چونکہ حضرت سیاسی رہنما ہونے کے ساتھ مذہبی پیشوا بھی تھے اور اسلام کو فروغ دینا اپنا بنیادی نصب العین سمجھتے تھے اس لئے آپ نے جیل میں رہ کر اشاعت دین متین کیلئے بھرپور جد وجہد کی غیر مسلم قیدیوں کے سامنے اسلام کا صحیح عملی نمونہ پیش کیا اور مکارم اخلاق سے ان کے قلوب میں اہل اسلام کیلئے کافی جگہ پیدا کی مسلمانوں کو اسلام کی روشنی دکھلا کر حب وطن کا سچا اور انمٹ جذبہ ان کے دلوں میں موجزن کر دیا پنج وقتہ نماز جماعت کے ساتھ ادا فرماتے نماز کے بعد وعظ وتقریر کا سلسلہ بھی چلتا لوگوں کو دینی تعلیمات سے روشناس کرایا جاتا اسی دوران رمضان المبارک کا محترم مہینہ بھی آگیا تراویح کے لئے حافظ قرآن کی ضرورت تھی

لیکن قیدیوں میں کوئی حافظ نہ تھا حضرت بھی باقاعدہ طور پر حافظ نہ تھے صرف ایک مرتبہ حافظ قرآن کی سماعت کی غرض سے اکابر کے اصرار پر حفظ قرآن کا قصد کیا اور روزانہ ایک پارہ یاد کرکے تراویح میں سماعت فرمائی اس وقت بھی لوگوں نے حضرت سے اصرار کیا کہ آپ ہی کلام اللہ سنائیں گے چنانچہ آپ نے اللہ پر توکل کرتے ہوئے منظور فرمالیا اور روزانہ ایک پارہ تراویح میں سنانے لگے قیدیوں کی کثیر تعداد آپ کے پیچھے کلام اللہ سماعت کرتی اور شب کے اکثر حصّہ میں آپ کے پند و نصائح اور اذکار سے مستفیض و محظوظ ہوتی محافظ جیل کی جانب سے قیدیوں پر پابندی بھی عائد کی گئی اور ہر ایک کو اپنے اپنے بارک میں رہنے پر مجبور کیا گیا لیکن کسی قیدی نے ان پابندیوں کی پرواہ نہ کی اور محافظ کو جیل کا نظام درہم برہم کرنے اور حفاظتی دستہ کے ساتھ تشدد آمیز سلوک کرنے کی دھمکی دیدی جس پر حفاظتی دستہ اور اس کا نگراں خاموش ہوگیا تاآنکہ ہلال عید نظر آگیا تمام قیدیوں نے غیر معمولی مسرت کا اظہار کیا اور صبح عید میں غسل وغیرہ سے فراغت پاکر نماز عید ادا کی حضرت ایک موقعہ پر یہ تفصیل بیان کرتے ہوئے فرما رہے تھے کہ جیسے ہی ہم لوگ دوگانہ عید سے فارغ ہوئے فوراً محافظ جیل دودھ اور سیر وغیرہ کی ٹرے میرے سامنے لے آیا میں نے کہا کہ میرے دوسرے ساتھیوں کے لئے

کیا انتظام ہے وہ مسکرانے لگا میں نے تند لہجہ میں خطاب کیا
تو کہنے لگا دوسروں کیلئے تو وہی روز کا کھانا ہے میں نے
کہا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا مذہبی خوشیوں کی قدر ہر حکومت
کرتی ہے برٹش گورنمنٹ کیا ظلم و سفاکیت میں اس حد تک
آچکی ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی خوشیاں پامال کی جائیں ان کو
جائز مسرتوں سے محروم رکھا جائے ایسا ہم ہرگز برداشت
نہ کریں گے محافظ جیل انچارج کے پاس گیا اور میری گفتگو
نقل کی نہ معلوم انچارج صاحب نے کیا جواب دیا مگر ایک گھنٹہ
کے بعد شیر اور سوئیاں سب کے سامنے آگئیں اور تمام قیدی
شکم سیر ہو گئے۔

یہ سزا آپ کے لئے ایک سال قید محض کی تجویز کی گئی تھی آپ
نے پورا سال وہیں گذارنے کا پروگرام بنالیا تھا بہت
سے سیاسی مضامین اور دینی موضوعات سے متعلق تصانیف
کے مسودے آپ نے جیل میں رہ کر ہی مکمل کر لئے تھے
اور مزید تصنیف و تالیف کا سلسلہ چل رہا تھا کہ چھٹے ماہ
کے آخر میں گاندھی ارون مصالحت کے نتیجہ میں آپ کو
تمام رہنما کاروں کے ساتھ رہا کر دیا گیا واپسی میں آپ
کے کاغذات کی چھان بین کی گئی اور تمام سیاسی کاغذات
ضبط کر لئے گئے بعض دینی امور سے متعلقہ مسودے بھی
خرد برد ہو گئے مگر آپ نے اس موقعہ پر صبر و تحمل سے
کام لیکر سکوت اختیار کیا اور دوسرے تعمیری کاموں کی جانب

متوجہ ہو گئے ۱۹۴۶ء میں جب مسلم پارلیمنٹری کے قیام کا مسئلہ آیا تو جمعیتہ العلماء کے کارکنوں نے بھی مسلم نمائندگان کو زیادہ تعداد میں کامیاب کرانے کیلئے مسلم لیگ کا بھرپور تعاون کیا خود حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے بھی ملک کے چپہ چپہ کا طوفانی دورہ کیا اور مسلم لیگ کے بہت زیادہ ممبروں کو کامیاب کرایا جمعیتی رہنما کار ہر طرف پھیل گئے اور مسلم لیگ کے ووٹ مسلم لیگ کے لئے ریزرو کرانے کی خاطر ہر قسم کی صعوبتوں اور مشقتوں سے ہمکنار ہوئے۔

مسلم لیگ سے تعاون

چنانچہ حضرت فخر الاسلام نے بھی مرادآباد امروہہ سنبھل گڈھ مکتیشور ہاپوڑ بلند شہر اور باغپت وغیرہ کا سفر کیا اور اپنے رضاکاروں کے ساتھ مسلم لیگ کو کامیاب کرانے کے لئے جان توڑ کوشش کی، لوگوں نے اعتراضات کئے کہ آپ حضرات مسلم لیگ جیسی..... پارٹی کا ساتھ کیوں دے رہے ہیں اس کے ساتھ تعاون کر کے اپنے درخشندہ کارناموں پر پانی کیوں پھیر رہے ہیں مگر آپ نے ہر ایک کو سمجھایا کہ اس وقت کسی پارٹی کے کردار کی جانب نہ دیکھو اس وقت جماعتی اختلافات سے ناقابل تلافی نقصان ہوگا اس وقت کل ہند مسلم پارلیمنٹری کا سوال ہے ایک جماعت کی کامیابی پوری ملت کی کامیابی ہے ہم نے چاہا کہ دوسری

پارٹیاں جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم پر متحد ہو جائیں اور اس کے تحت الیکشن لڑیں مگر بعض ملت فروش نام نہاد مسلم پارٹیاں یکجائی پر رضامند نہ ہوئیں اسلئے ہم مسلمانان ہند کی فلاح کی خاطر دوسری جماعتوں کی جانب جھک گئے اور اس طرح منتشر شیرازہ کو یکجا کرنے کی کوشش بار آور ہو گئی اور مسلم لیگ کے نام پر مسلم نمائندے پارلیمنٹری کے لئے منتخب ہو گئے۔

لیکن الیکشن ختم ہوتے ہی مسلم لیگ اپنے اصل روپ میں ظاہر ہو گئی اور جمعیۃ علماء کے سب کئے دھرے پر پانی پھیر دیا مسٹر جناح چند ٹکوں کی خاطر انگریز کے زر خرید غلام بن گئے اور جمعیۃ علماء و دیگر قوم پرور جماعتوں سے کئے گئے وعدوں کو یکسر فراموش کر دیا انگریزی سامراج کے خلاف صف آراستہ ہونے کے بجائے تملق اور چاپلوسی کی راہ اختیار کر لی اور انگریزوں کے اشاروں پر رقص کرنا شروع کر دیا جس کے نتیجہ میں جمعیۃ علماء اور دیگر مسلم جماعتوں نے مسلم لیگ سے کلی طور پر بائیکاٹ کر دیا اور اس کی مکاری اور دغا بازی کو پوری ملت کے سامنے بے نقاب کر دیا جس کے باعث اکثر سمجھدار اور باہوش مسلمان جمعیۃ کے پلیٹ فارم پر آگئے بہت سی مسلم سیاسی پارٹیوں نے جمعیۃ علماء پر اپنا تمام کر لیا حضرت فخرالاسلام بھی مسلم لیگ سے کلی طور پر کنارہ کشی اختیار کر کے جمعیۃ کے تحت رہ کر سیاسی خدمات انجام

دینے لگے مگر چونکہ مسلم لیگ اتحاد المسلمین اور چند دوسری
پارٹیوں نے ملکی اکثریت اور اقلیت کے درمیان تفریق وعناد
کی خلیج پیدا کر دی اور انگریز تحریک حریت کا گلا گھوٹنے کے
لئے ہندوستانی اقوام میں نفاق و شقاق حائل کرنا چاہتا تھا
تاکہ لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی سے مفید نتائج سامنے
آجائیں اسلئے علماء ہند نے اس امر کی شدت سے ضرورت
محسوس کی کہ ہندوستان میں بسنے والی تمام اقوام کو ایک
پلیٹ فارم پر کھڑا کر کے آزادی کی جنگ لڑی جائے اگر
ملک میں ہندو مسلم تنازعہ فروغ پا گیا تو آزادی کی جنگ
کبھی نہیں جیتی جا سکتی ہندو مسلم تنازعہ انگریزی سامراج
کے لئے حکومت کرنے کے مزید مواقع فراہم کرنے کے مرادف
ہے چنانچہ ہندو مہاسبھا اور مسلم لیگ انگریز کی گود میں
بیٹھ کر حریت وطن کے جذبات کو پارہ پارہ کر رہی تھیں اور
ہندوستانی اقوام کو باہم دست بگریباں کر کے نخل آزادی
کو جڑ سے اکھاڑ دینا چاہتی تھیں علماء دیوبند نے انگریز اور
اس کے پٹھو فائدتین کی سازشوں کا سراغ لگا کر حریت شکن
تحریکات کا سدباب شروع کر دیا اور آزادی کے پرچم تلے
ہندو مسلم سکھ عیسائی اتحاد کے مناظر پیش کرنے کے لئے جدوجہد
شروع کر دی کانگریس اور جمعیۃ علماء نے تمام منافرانہ قومی
نظریات کو بالائے طاق رکھکر ہندوستان کی تمام قوموں
کو ایک دھاگے میں پرو دیا مہاتما گاندھی مولانا مفتی کفایت اللہ

مولانا حسین احمد مدنی، حضرت فخر الاسلام، سحبان الہند مولانا احمد سعید مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمان مولانا سید محمد میاں صاحب جواہر لال نہرو، سردار پٹیل، رفیع احمد قدوائی اور حافظ محمد ابراہیم وغیرہ نے شانہ بشانہ ملکر آزادی کے لئے بیش بہا قربانیاں پیش کیں اور قید و بند و دیگر صعوبتوں سے ہمکنار ہوکر بالآخر ملک کو آزاد کرالیا اور انگریزی سامراج کا برّ اعظم ایشیا سے پورے طور پر خاتمہ کر ڈالا۔

کانگریس اور جمعیۃ علماء کی قیادت

حضرت فخر الاسلام کی جملہ تحریکات میں شرکت آپ کی علمی سیاسی اور مجاہدانہ شخصیت کا ثبوت پیش کرنے کے لئے کافی ہے آپ کانگریس کے متعدد اہم عہدوں پر فائز ہونے کے ساتھ حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کے دور صدارت میں دو مرتبہ جمعیۃ علماء ہند کے نائب صدر بھی منتخب کئے گئے آپ نے ہر مرتبہ جمعیۃ کے ہر پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہونچایا اور اپنے فرائض منصبی کو بہتر انداز سے انجام دیا آپ کی ان لامتناہی خصوصیات کی بنا پر ارباب سیاست نے بیشتر مواقع پر آپ کو اپنا امیر اور راہبر بنایا۔ اربا آپ کو جمعیۃ علماء اور کانگریس کے جلسوں کا صدر بھی بنایا گیا ۱۹۴۸ء میں جبکہ پوری ملت عظیم خلجان سے گزر رہی تھی سخت افراتفری کا عالم تھا برٹش گورنمنٹ نے ایسے سرکلر جاری کر دئے جن کی

رو سے سیاسی تحریکات مسدود ہو کر رہ گئی تھیں سیاسی جلسوں جلوسوں پر سخت قسم کی پابندیاں عائد کر دی گئیں مخالفت کرنے والوں کی سرکوبی کیلئے جابجا فوجی اڈے قائم کر دئے گئے اندھا دھند گرفتاریوں کا سلسلہ زوروں پر تھا ایسے پر آشوب وقت میں جمعیۃ علماء کی جانب سے دہلی میں عظیم الشان اجلاس منعقد کیا گیا جس میں ملک کے ہر گوشہ سے ہزاروں رضاکاروں نے شرکت کر کے اجلاس کی اہمیت اور اس کی غرض و غایت کو دوبالا کر دیا اس قدر پر خطر حالات میں اجلاس کی صدارت کے لئے فخر الاسلام کی شخصیت کو ہی چنا گیا اور آپ نے ذات خداوندی پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کو قبول فرما کر اجلاس کو انتہائی بے باکانہ ماحول بخشا اور نہایت خوش اسلوبی سے انجام کو پہونچایا۔

جمعیت احرار کی صدارت

سیاسی زندگی کے ایک موڑ پر آپ نے جمعیت احرار کے جلسوں میں شرکت کی اور مقصد آزادی کو کھل کر مؤکد کر دیا سہارنپور میرٹھ دہلی کے اہم جلسوں کے علاوہ مظفر نگر ضلع کانفرنس کی صدارت بھی آپ کی سیاسی تاریخ کا ایک اہم باب ہے

۹ تا ۱۱ دسمبر ۱۹۴۰ء کو شہر اجین میں جمعیۃ علماء ہند کا سالانہ اجلاس عام ہوا جس کے انتظامات مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمانؒ ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند حضرت مولانا شاہد فاخری

اور نواب سردار علی خاں صاحب کوروائی وغیرہ نے کئے ان حضرات کے علاوہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب حضرت مولانا قاضی و مجاہد الحسینی بھوپالی صاحبزادہ محترم مولانا سید اسعد مدنی اور مولانا مفتی عبدالرزاق صاحب وغیرہ نے اجلاس میں شرکت کی اس اہم اجلاس کی صدارت بھی حضرت فخرالاسلام کو فرمانی پڑی آپ نے اس موقعہ پر جو خطبۂ صدارت پڑھا اس میں عصر حاضر کے مسلمانوں کی مشکلات اور ان کا مکمل حل موجود تھا چنانچہ ملک کے بیشتر اخبارات و جرائد نے اس خطبہ کے اقتباسات جلی سرخیوں میں شائع کئے۔

اس کے بعد آپ نے جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس عام میرٹھ اور اجلاس عام گیا صوبہ بہار کی بھی صدارت فرمائی جن کے خطبات صدارت اشاعت پذیر ہو کر منظر عام پر آچکے ہیں

جمعیۃ علماء کی مرکزی صدارت

اگرچہ فخرالاسلام - مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن صاحب ہی کے زمانہ سے جمعیۃ علماء ہند کی مرکزی صدارت پر جلوہ افروز ہو چکے تھے لیکن مجاہد ملت کے وصال کے بعد جب دوبارہ مرکز کا انتخاب زیر عمل آنے لگا تو جمعیۃ علماء کی صدارت کے لئے کئی شخصیتیں عوام کے سامنے آئیں جن میں حضرت فخرالاسلام اور مولانا عتیق الرحمن صاحب

عثمانی کی جانب لوگوں کی نظریں زیادہ لگی ہوئیں تھیں چنانچہ اجلاس میرٹھ کے موقعہ پر حضرت فخر الاسلام کو کثرت آراء کی بنا پر بالاتفاق صدر چن لیا گیا اور اس طرح آپ کو باقاعدہ ملت کے ایک حصہ سربراہ کی حیثیت سے بھرتی و سیاسی سرگرمیاں کرنے کا موقع مل گیا چونکہ شیخ الاسلام کا جمعیۃ پر احسان عظیم تھا اسلئے فخر الاسلام کی یہ خواہش تھی کہ شیخ الاسلام کے صاحبزادے حضرت مولنا سید اسعد مدنی صاحب مدظلہ العالی کو جمعیۃ علماء میں کام کرنے کا موقع ضرور دیا جائے مولنا اسعد مدنی حضرت شیخ الاسلام کے ہمراہ سفر و حضر میں اکثر رہا کرتے تھے اسلئے ملک کے سیاسی نشیب و فراز سے واقفیت زیادہ تر مولنا اسعد صاحب کو ہی حاصل ہو سکتی تھی بنابریں فخر الاسلام نے دستور اساسی کے تحت مولنا موصوف کو جمعیۃ علماء کا ناظم اعلیٰ مقرر فرمادیا پھر کثرت کار کی بنا پر جمعیۃ کے داخلی معاملات زیادہ تر حضرت مولنا سید احمد ہاشمی صاحب سے متعلق کر کے ان کو ناظم منتخب فرمادیا اور اس طرح جمعیۃ علماء کی تمام تر سرگرمیاں فخر الاسلام کی صدارت کے تحت ان جانباز مجاہد ناظموں کے ہاتھوں نہایت عمدہ طریقہ پر پایۂ تکمیل کو پہونچنے لگیں۔

مکارمِ اخلاق کی رفعت

حضرت فخرالاسلام جہاں دوسرے معاملات میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ و السلام کے عملی طور پر نمونہ تھے وہیں آپ رسول پاک کے اخلاق و اطوار کو بھی کامل طور پر اپنائے ہوئے تھے اللہ جل شانہٗ نے رسول پاک کے اخلاق و عادات کی رفعت اور بلندی ظاہر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ یعنی آپ کا خلق غیر معمولی عظمت کا حامل ہے اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی عظمت و بلندی کرنے میں نہ صرف اس کی علمی و ذہنی صلاحیتیں کارگر ثابت ہوتی ہیں بلکہ اس کی کرداری و اخلاقی صفات کو بھی اس میں بڑا دخل ہوتا ہے رسول پاک نے قبائل عرب کو اپنی تلوار یا دست و بازو کی قوت سے مسخر نہیں کیا بلکہ اپنے حسن سلوک و حسن معاشرت اور مکارم اخلاق کے ذریعہ مخالفین و معاندین کے دلوں کو اپنی جانب مائل کیا جو شخص بھی سنن نبویہ کا پیرو کار ہوگا اس میں آپ جیسے بلند اخلاق ضرور پائے جائیں گے حضرت فخرالاسلام کی ذات گرامی اتنے اہم مناصب پر فائز رہنے کے باوجود تمام اخلاقی صلاحیتوں سے آراستہ تھی۔

ورنہ عام طور پر انسان کی اخلاقی حالت اقتدار سنبھالنے کے بعد بدل جاتی ہے اور وہ عوام سے بیزار ہو جاتا ہے جس کے باعث عوام بھی اس سے متنفر اور برگشتہ ہو کر کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں یہی نمایاں فرق انبیاء کرام اور موجودہ زمانہ کی سیاسی

مقتدر ہستیوں میں پایا جاتا ہے نبی سے عقیدت رکھنے والے زیادہ تر وہی لوگ ہوتے ہیں جو ان کی زندگی کو قریب سے دیکھتے ہیں دور رہنے والے بیزار اور بدظن رہتے ہیں لیکن جو شخص جتنا قریبی ہوتا جائے گا اور خانگی باتوں پر مطلع ہوتا جائے گا اتنی ہی اس کی عقیدت و ارادتمندی میں افزائش ہوتی جائے گی یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سب سے پہلے ایمان لانے والی آپ کے نظریات سے اتفاق رکھنے والی اور آپکو رہبر کامل تسلیم کرنے والی آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں اور آپ کی مصاحبت اور رفاقت میں رہنے والے حضرت ابوبکر صدیق رض اور فروعی اعتبار سے آپ کے ماتحت رہنے والوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی ایمان لانے میں سب سے پیش پیش رہے مثل مشہور ہے کہ انسان سب کو اپنا عقیدتمند بنا سکتا ہے مگر بیوی بیٹے اور مصاحب کو معتقد بنانا بڑا مشکل ہے لیڈر کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے جو لوگ اس کو جس قدر نزدیکی سے دیکھیں گے اسی قدر اس سے بیزار ہو جائیں گے دور رہنے والے لوگ اس کے حالات سے ناواقف ہونے کی بنا پر اس کے دام مکر و فریب میں پھنسکر اس کو اپنا رہبر تسلیم کر لیتے ہیں مگر جوں ہی ان کو اس کے اندرونی حالات کا علم ہوتا ہے اور اس کے قول و عمل کا تضاد ان پر آشکارا ہوتا ہے تو لوگ اس کی رہبری کو رہزنی سے تعبیر کر کے علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں لیکن وہ کبھی سی

علماء جو انبیاء کرام کے نقش قدم پر گامزن رہتے ہیں ان کی زندگی اس قسم کے مکر و فریب سے پاک رہتی ہے اور قریبی افراد یا لواحقین کو زیادہ جام عقیدت نوش کرنے کا موقع مل جاتا ہے اس سلسلہ میں حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سید احمد شہید، اسماعیل شہید، شیخ الہند، شیخ الاسلام اور فخر الاسلام کی حیات طیبہ کے تمام گوشوں کو یہ کہا جا سکتا ہے ان اکابرین کی زندگی سیرت نبوی کا نمونہ ہے اور ہر خاص وعام کے لئے محور درس و عبرت ہے۔

فخر الاسلام سے عقیدت رکھنے والوں میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی جو حضرت کے حلقہ درس حدیث یا علمی افادات سے بالواسطہ یا بلا واسطہ منسلک تھے جن تلامذہ کو حضرت کی خدمت اقدس میں رہنے کا کچھ عرصہ بھی موقع مل جاتا وہ یقینی طور پر حضرت کے گرویدہ اور شیدائی بن جاتے تھے جس کو کہیں حضرت کے خطاب میں شرکت کا موقع مل گیا اس کا عقیدتمندوں کی فہرست میں شامل ہونا ناگزیر بن گیا جن کو حضرت کی صحبت کا تھوڑی دیر بھی شرف حاصل ہو گیا اس کے عزائم میں عظیم انقلاب برپا ہو گیا بہت سے مخالفین جب آپ کی خدمت میں آتے تو آپ کے فیض صحبت روحانی تصرفات یا آپ کے اخلاقی کمالات سے اس درجہ متاثر ہوتے کہ ان کے قلوب نفرت کے بجائے محبت و عقیدت کی شراب سے لبریز ہو جاتے آپ کے حسن سلوک اور حسن اخلاق سے متعلق چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں جن سے فخر الاسلام کی اخلاقی و کرداری عظمت بھی طور پر سامنے آجائیں گی

غرباء اور ناداروں کے ساتھ

خواص یا اپنے ہم پلہ افراد کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا کمال کا اظہار اسوقت ہوتا ہے کہ جب انسان کمتر اور حقیر انسانوں کے ساتھ مساویانہ طرز عمل اختیار کرے اور یہ کمال اس انسان کے اندر پیدا ہوسکتا ہے جس کے قرطاس ذہن اور دماغ پر الخلق عیال اللہ اور کل بنی آدم اخوۃ گہرے طور پر منقش ہو مخلوق خدا کے ساتھ ہمدردانہ جذبات موجزن ہوں آخرت اور حضور خداوندی پر یقین کامل ہو برادرانہ طرز عمل اور کمتروں کے ساتھ حسن سلوک کے دعویدار تو ہزاروں افراد ہوں گے مگر عملی طور پر اس کا ثبوت پیش کرنے والوں کی تعداد اقل قلیل کے مرادف ہے صرف اللہ کے عشق سے سرشار چند ہی افراد ایسے ہوتے ہیں جو ان اوصاف وکمالات سے متصف ہوں حضرت شیخ الاسلام کے بعد صرف فخر الاسلام کی ذات گرامی ان اطوار حسنہ سے بہرہ یاب تھی آپ سفر وحضر میں ہر جگہ اپنے بلند اخلاق کا مظاہرہ فرماتے جمعہ کی نماز آپ اکثر مسجد جھنگ میں ادا کیا کرتے تھے راقم الحروف بھی اکثر آپ کے ساتھ جاتا تھا ایک مرتبہ ایک شہری کا چپل بھیڑ کی وجہ سے آپ کے جوتے پر رکھا گیا جس کے باعث آپ کو

چلنے میں توقف کرنا پڑا آپ کے خادم خاص مولنا سیف اللہ صاحب
اس پر برافروختہ ہونے لگے آپ نے مولوی سیف اللہ کو ڈانٹ
کر خاموش کر دیا اور فرمایا کہ اس بیچارے نے دانستہ
ایسا نہیں کیا اس لئے اس کا کوئی قصور نہیں

اسی طرح ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک غریب آدمی خطبۂ جمعہ کے
دوران آکر بیٹھ گیا اس کے کپڑے نہایت بوسیدہ تھے
بدبو آرہی تھی اس کو یہ معلوم نہیں تھا کہ میں حضرت کے پاس
ہوں جیسے ہی نماز کیلئے تکبیر ہوئی اور حضرت کھڑے ہوئے تو
وہ شخص آپ کو دیکھتے ہی بربناء خوف ولحاظ پیچھے ہٹ گیا حضرت
نے اس کو فوراً اپنی جانب کھینچا اور فرمایا کیا تم مسلمان نہیں ہو
مسلمان سب برابر ہیں تم میرے پاس ہی نماز پڑھو وہ بیچارہ
چاروناچار حضرت کے قریب کھڑا ہو گیا لیکن شرمندگی وندامت
سے اس کا سر جھکا رہا۔

ایک بار آپ مرادآباد کو تشریف لے جارہے تھے
اسٹیشن پر رکشہ پہونچا تو رکشہ والے کو مولنا سیف اللہ صاحب
۵ پیسے دینے لگے اس نے ۵۷ پیسے کے لئے اصرار کیا مولنا
سیف اللہ دینے سے انکار کرنے لگے اور آگے چلدئے حضرت
نے فرمایا اس کو ۵۷ پیسے ہی دو غریب مزدور کو خوش کرنا
چاہیئے اس منہگائی کے عالم میں مزدوروں کے لئے بچوں
کا پیٹ پالنا بڑا مشکل ہے

خدّام کے ساتھ

عام لوگوں سے معاملات کا اتفاق چونکہ کم ہی پڑتا ہے اسلئے ان سے حسن سلوک کا طرزِ عمل اس قدر اہمیت نہیں رکھتا جس قدر ہمہ وقت ساتھ رہنے والے خدّام کے ساتھ مکارم اخلاق کا مظاہرہ نہ صرف حامل اہمیت بلکہ غیر معمولی تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے۔

رسول پاکؐ کے غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کی عملی مثال اگر مل سکتی ہے تو انھیں بندگان خدا کی زندگی میں جنھوں نے دنیا و مافیہا کو ہیچ جان کر توشۂ آخرت حاصل کرنے کی فکر کی حضرت فخر الاسلام کی خدمت کرنے کیلئے سینکڑوں طالب علم وغیر طالب علم مشتاق و متمنی رہتے تھے مگر حضرت ہر کس و ناکس پر بار خدمت ڈالنا مناسب نہ سمجھتے تھے بلکہ زیادہ تر کام خود کرنے کی کوشش فرماتے تھے پھر بھی چند خوش نصیبوں کو خدمت کا موقع مل جاتا تھا جن میں مولانا رحمت علی صاحب بجنوری استاذ دار العلوم دیوبند، مولانا سیف اللہ صاحب گنگوہی، مولانا عبد القیوم صاحب گونڈوی، مولانا احمد اللہ صاحب بستوی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں مولانا سیف اللہ صاحب کو حضرت کی خدمت کا زیادہ شرف حاصل رہا ہے دار العلوم دیوبند کے ۱۵ سالہ زمانۂ قیام اور اس سے قبل مرادآباد میں

بھی مولنا سیف اللہ آپ کی خدمت میں رہے اکثر اساتذہ دارالعلوم
کو یہ کہتے سنا گیا کہ مولوی سیف اللہ کی حضرت فخرالاسلام سے
محبت و عقیدت عشق کے درجہ میں ہے اور واقعی اس شخص
نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ فخرالاسلام کی خدمت میں گذار
دیا حضرت کا اپنے تمام خدام کے ساتھ اچھا سلوک رہتا تھا
ان کو اپنے ہر قسم کے کھانے میں شریک کرتے تھے اور اپنے
بہت سے قیمتی کپڑے خادموں کی نذر کر دیتے تھے اگر چائے
یا پھل وغیرہ استعمال کرتے یہاں تک کہ عمدہ اور صحت بخش دواؤں
میں بھی خدام کو شریک کر لیا کرتے تھے دعوتوں میں بھی خدام کو
اپنے ساتھ کھانا کھلاتے اور کسی خادم سے کچھ نقصان ہو جاتا
تو اس پر اف بھی نہ کرتے اور نہ ہی ملال ظاہر فرماتے
ایک مرتبہ راقم الحروف سے روغن زیتون کی بوتل ٹوٹ گئی اس
میں بیس روپئے سے زائد کا تیل ہوگا حضرت کو معلوم ہوا لیکن
کچھ بھی نہ کہا بلکہ مسکرائے ۔
کوئی خادم کسی کام میں غفلت برتتا یا کسی کام کو نہ کرتا تب
بھی حضرت کچھ تنبیہ نہ کرتے تھے مولوی سیف اللہ زمانہ ضعیفی
میں حضرت کا بستر باہر کر دیا کرتے تھے حضرت کا معمول گیارہ
بارہ بجے شب تک مطالعہ کا تھا مطالعہ سے فراغت پا کر باہر صحن
میں آرام فرمانے کیلئے جایا کرتے تھے ایک مرتبہ مولوی
سیف اللہ باہر چارپائی ڈالنا اور بستر کرنا بھول گئے حضرت
حسب معمول مطالعہ سے فارغ ہو کر صحن کی جانب قدم رکھتے ہوئے

چار پائی نہ دیکھ کر بہت پریشان ہوئے خود چار پائی انکا لنے پر قدرت نہ رکھتے تھے چارو ناچار اندر ہی لیٹ گئے مگر گرمی کی شدت سے نیند نہ آئی کبھی باہر ٹہلتے کبھی اندر جاتے تمام رات یونہی گذاری تہجد اور صلوٰۃ فجر سے فارغ ہو کر لیٹے تو نیند آ گئی ناشتہ کے وقت مولانا یاسین علی صاحب آئے حضرت سے دریافت کیا کہ کیا طبیعت ناساز ہے حضرت نے فرمایا کہ بھائی اس طرح رات سونا نصیب نہ ہوا اس وقت آنکھ لگ گئی تھی مولانا یاسین علی و دیگر خدام کو جب اس کا علم ہوا تو بہت زیادہ مضطرب ہوئے مولانا یاسین صاحب نے تو مولوی سیف اللہ صاحب سے باز پرس کی بھی مگر حضرت نے کچھ بھی نہ کہا بلکہ حضرت کو جب یہ معلوم ہوا کہ مولانا یاسین نے مولوی سیف اللہ کو برا بھلا کہا ہے تو آپ نے مولانا یاسین کو سمجھا دیا کہ مولوی سیف اللہ بھی انسان ہیں انسان سے سہو و نسیان ہو سکتا ہے اس لئے ان سے باز پرس کرنا بے سود ہے بیچارے بھول گئے ہوں گے۔

راقم الحروف کو بھی حضرت کی خدمت کرنے کی سعادت حاصل رہی ہے بار ہا حضرت کی قیامگاہ پر سونے کا اتفاق ہوا ہے میں اسکا پوری طرح خیال رکھتا تھا کہ حضرت کے بیدار ہونے سے پہلے جاگ کر پانی وغیرہ گرم کر دوں لیکن کبھی کبھی آنکھ نہ کھلتی تھی حضرت خود ہی پانی وغیرہ گرم کر لیا کرتے تھے اور مجھے سوتا چھوڑ دیتے میں نے کئی بار حضرت سے گذارش کی

کہ مجھے بیدار کر دیا کریں آپ فرماتے کہ خدا نے ابھی مجھے اتنی قوت دی ہے کہ میں خود وضو کا اہتمام کر سکوں اسلئے میں تمہارے آرام میں خلل ڈالنا پسند نہیں کرتا کئی بار مجھے حضرت کے گرم کردہ پانی سے وضو کرنے کا اتفاق ہوا حضرت حکم دیتے کہ وضو یہیں کر جاؤ اور میں شرم و ندامت سے زمین میں گڑ جاتا مگر الامر فوق الادب کا خیال کر کے حضرت کا حکم ماننا پڑتا جب حضرت تعطیلات میں مرادآباد جانے اور مجھے بھی مرادآباد جانے کا اتفاق ہوتا تو والد صاحب کے حکم کے باعث اور حضرت سے غایت درجہ عقیدت و محبت کے باعث حضرت کے دولت کدہ پر میری حاضری ضروری تھی میں جب بھی پہونچتا حضرت فوراً بیٹھک میں تشریف لے آتے اور کھانا کھانے کا حکم دیتے اگر کھانے سے انکار کرنا تو چائے ضرور پلاتے کبھی ایسا اتفاق ہوتا کہ گھر پر کوئی بچہ موجود نہ ہوتا تو حضرت اسوقت خود ہی اندر جا کر چائے لاتے مجھے حد درجہ غیرت محسوس ہوتی تھی لیکن بربنائے محبت وہاں پہونچنا ضروری ہوتا اور اگر وہاں پہونچتا تو اس طرح شرمندگی سے دوچار ہونا پڑتا میرے بہنوئی نعیم الحق صاحب جو مرادآباد سرائے گلزاری مل میں رہتے ہیں اکثر میرے ساتھ حضرت سے نیاز حاصل کرنے کے لئے پہونچتے تھے ان کو بھی دیکھکر غایت درجہ تعجب ہوتا تھا کہ اتنی اہم شخصیت جو ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی علمی اور سیاسی اعتبار سے رہنمائی کرتی ہے اور بڑے بڑے وزراء ممبران پارلیمنٹ اور روساء مملکت

جن کے سامنے اپنا سر خم کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں وہ اپنے ادنیٰ خادموں کے ساتھ اس طرح مساویانہ معاشرت اختیار کرتا ہے۔

حضرت کی عادت شریفہ میں ہر خاص و عام کا احترام کرنا داخل تھا تمام شاگردوں کو آپ آپ کہہ کر خطاب فرماتے تھے ایک مرتبہ موقع پاکر میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ حضرت بڑوں کے لئے لفظ آپ مخصوص ہے اور چھوٹوں کے لئے لفظ تم خاص ہے آپ تو سب کے بڑے ہیں موجودہ وقت میں کوئی بھی آپ سے بڑا نہیں ہے۔ مگر آپ سب سے لفظ آپ کے ذریعہ خطاب فرماتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے آپ نے مسکرا کے جواب دیا کہ لوگ مجھے کچھ بھی سمجھتے ہوں مگر میں اپنی نظر میں خود کو سب سے کمتر تصور کرتا ہوں اور سب کو اپنے سے بڑا۔ اور ظاہر اور باطن میں مطابقت ہونی چاہیئے اس لئے میں سب کو احترام کی نظر سے دیکھتا ہوں اور بڑا سمجھ کر خطاب کرتا ہوں

بڑے لوگ عام طور سے چھوٹوں کے خطوط کا جواب نہیں دیتے یا دوسرے خدام سے جواب لکھوا دیتے ہیں لیکن حضرت سب کے مکاتیب کا جواب از خود دیتے تھے اور ہر ایک کو اپنے مشفقانہ القاب و آداب سے نوازتے تھے مولوی احمد اللہ بستوی جو آخر زمانہ میں حضرت کے خادم رہے کہتے ہیں کہ جب میں سالانہ امتحان کی تعطیلات میں وطن گیا تو کثیر مصروفیات کی بنا پر حضرت کو مکتوب تحریر نہ کرسکا حالانکہ حضرت نے چلتے وقت تاکید

کر دی تھی کہ گھر پہونچتے ہی خط تحریر کرنا ہیں ہر روز ارادہ کرتا
مگر خط نہ لکھ پاتا تا آنکہ ایک ہفتہ گذر گیا ہیں تو جس دن خط لکھنے بیٹھا
ہی تھا کہ حضرت کا مکتوب موصول ہوا جس میں انھوں نے خیریت
سے لاعلم ہونے کی بنا پر بہت اضطراب اور بے چینی کا اظہار کیا
تھا مولوی احمد اللہ نے مزید بتلایا کہ مجھے بہت سے استاذوں
کے پاس خط لکھنے کا اتفاق ہوا بہت کم استاذوں نے جواب
سے نوازا مگر حضرت فخر الاسلام مجھ جیسے ادنیٰ شاگرد کو بھی جواب
سے محروم نہ رکھتے تھے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضرت نے مجھے
جواب سے نہ نوازا ہو

راقم الحروف کو بھی حضرت کی خدمت اقدس میں خطوط ارسال
کرنے کا بارہا اتفاق ہوا حضرت نے ہر بار تسلی بخش جواب
دیا حضرت کے ہر عمل سے جس طرح محبت والفت کے ہزارہا
جذبات نمایاں ہوتے تھے اسی طرح آپ کی تحریر مبارک کا
ہر لفظ شفقت و محبت میں ڈوبا ہوا ہوتا تھا یہ تھا حضرت کا
حسن سلوک اپنے خدام کے ساتھ جس کی مثال فی زمانہ صرف
کمیاب بلکہ پورے طور پر نایاب ہے

راقم الحروف جنوری ۱۹۷۲ء میں بہت بیمار تھا ڈاکٹروں
کو بچنے کی توقع بہت کم رہ گئی تھی حضرت کو دوسرے شاگردوں
کے ذریعہ بیماری کا علم ہوا تو بہت بے چین ہوئے کئی مرتبہ
والد صاحب کو ... مجھے اخطوط لکھے کہ اب کیا حال ہے قبلہ والد
صاحب ان کی بے چینی کا ... کرکے ... اِدآباد گئے تاکہ

ان کو تسلی دلائیں حضرت خود بھی ان دنوں علیل چل رہے تھے اسلئے
مرادآباد ہی پہونچ چکے تھے حضرت کو اس کرب و اضطراب
کے عالم میں بھی اپنے سے زیادہ ناچیز کا خیال تھا میاں تھا اسلئے
میری صحت کا علم پاکر از حد مسرور ہوئے اور مسرت کا
اظہار کرنے کے لئے ۳۱ر جنوری کو مندرجہ ذیل مکتوب ارسال
کیا جو دوسرے مکتوبات کی بہ نسبت مختصر بھی ہے اور اس
سے حضرت کا اپنے خدام کے ساتھ ہمدردانہ برتاؤ بھی
آشکارا ہو جاتا ہے۔

مرادآباد باسمہ تعالیٰ

عزیزم مولوی جمیل الرحمٰن سلمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی بیماری کا حال قاری صاحب مدظلہ
سے معلوم ہوا تھا خدا کا شکر ہے کہ اب
آپ ٹھیک ہو گئے خداوند کریم تمہیں دینی خدمات
کے مواقع عطا فرمائے اور تم اپنے والد کے
نقدم بقدم چل کر جامعہ حسینیہ رحمانیہ کے سچے خادم
ثابت ہو

والسلام بخدمت جناب قاری صاحب سلام مسنون

فخرالدین احمد غفرلہٗ

مکتوب بالا سے حضرت کا جذبہ محبت صاف ظاہر ہو گیا کہاں ہیں وہ لوگ جو علماء کرام کو بد خلق اور خود غرض قرار دیتے ہیں اتنی بڑی شخصیت کو اپنے کمتر خدام سے کیا غرض وابستہ ہو سکتی ہے لیکن یہ اہل زہد و تقویٰ اپنے جانثار خادموں کا صرف اللہ کیلئے اپنے سے زیادہ خیال رکھتے تھے اور خاکساروں کی ممکن حد تک عزت افزائی فرماتے تھے ؎

خاکساروں سے ملا کرتے ہیں جھک کر سربلند
آسماں بھر تو اضع ہی زمیں پر خم ہوا

رفقائے سفر کیساتھ

انسان کے معیار اخلاق کو جانچنے اور پرکھنے میں سفر ایک عمدہ اور کارگر کسوٹی ہے جس کی محبت عقیدت اور ہمدردی کا امتحان لینا ہو تو اس کے ساتھ سفر کر لیا جائے اس کے خلوص یا تصنع اور بناوٹ کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی جیسا کہ حضرت عمر فاروق کے دربار میں ایک شخص نے دوسرے کی شرافت اور پاکبزگی کے متعلق شہادت پیش کی حضرت عمر نے استفسار کیا ھل صحبته فی السفر الذی یستدل به علی مکارم اخلاقه فقال لا فقال ما اراک تعرفه یعنی کیا تم نے ان کے ساتھ سفر کیا ہے جس کے باعث تمہیں ان کے اخلاق کریمانہ سے متاثر ہونے کا موقع ملا ہو شہادت پیش کرنے والے نے انکار کیا تب حضرت عمرؓ نے فرمایا

ہیں تمہارا بھر کس وجہ سے اعتبار کر وں اور ان کو پاکیزہ متصور کر لوں حضرت عمرؓ جیسے عادل اور کیفیت شناس انسان نے جب سفر کو اخلاق و عادات کے پرکھنے کا معیار قرار دیا ہے تو بھلا دوسرے دانشور اس طریقہ کو کام میں لانے سے کس طرح پیچھے ہٹ سکتے ہیں چنانچہ اس دور میں بھی سفر کے دوران لوگوں کی اخلاقی قدریں کھل کر سامنے آجاتی ہیں نفسی نفسی کا عالم رہتا ہے ہر شخص کو اپنے آرام کا خیال رہتا ہے دوسرے کی اذیت کا ذرہ برابر خیال نہیں ہوتا

مگر مخلوق خداوندی کا خیال رکھنے والے ہر موقع پر اعلیٰ اخلاق اور مخلصانہ ایثار کا مظاہرہ کرتے ہیں انھیں ایثار پیشہ شخصیتوں میں حضرت فخرالاسلام تھے آپ سفر میں حضر سے کہیں زیادہ مخلوق خداوندی کا خیال رکھتے تھے دوسروں کو ضرورت سے زیادہ خیال رکھتے تھے ایک مرتبہ خود ہی ذکر فرمارہے تھے کہ حضرت مولٰنا حبیب الرحمٰن صاحب کے زمانہ میں دارالعلوم کے احاطۂ مولسری کے وسیع میدان میں عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں کسی خاص مہم کے تحت چندہ کی اسکیم پر زور دیا جارہا تھا مجھے سرحد اور بلوچستان کے علاقہ کی جانب بھیجا گیا اور وہ اس سلسلہ میں میرا پہلا سفر تھا جب ٹرین کا گذر امرتسر سے ہوا تو بہت سے سکھ ڈبے میں گھس آئے میں پوری سیٹ پر بستر لگا کر لیٹا ہوا تھا ڈبہ مسافروں سے کھچا کھچ بھر گیا تھا لیکن کسی کو یہ ہمت نہ ہوتی تھی کہ مجھ سے بیٹھنے یا بستر سکوڑنے کیلئے کہے ۔۔ اگلے

اسٹیشن پر چند ضعیف اور بوڑھے مسافر بھی سوار ہو گئے لوگ انھیں دھکے دے رہے ہیں نہیں گھسنے دیتے تھے میں نے ان کو ڈبے میں داخل ہونے کا موقع دے کر اپنی سیٹ پر بٹھا لیا لوگ حیرت میں رہ گئے کہ قبضہ کی ہوئی جگہ کو بلا وجہ دوسرے کو دے ڈالا

ایک مرتبہ زمانہ طالبعلمی کا واقعہ بیان فرما رہے تھے کہ میں رات کی گاڑی سے دہلی جا رہا تھا ڈبے میں ایک مسافر ٹھٹھر رہا تھا اور بے ہوشی کے عالم میں پڑا ہوا تھا میں نے اپنا کمبل اس پر ڈال دیا اور خود پتلی سی چادر میں رات گذاری نیند نہیں آ رہی تھی تو قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی قرآن کی برکت سے شدید سردی کا احساس ختم ہو گیا اور وہ مسافر بھی کچھ دیر سو لیا صبح کو جب بیدار ہوا تو حیرت سے مجھے دیکھنے لگا اور شکریہ ادا کرنے لگا اس قسم کے ایثار پسندانہ واقعات آج افسانہ بن کر رہ گئے ہیں لیکن اہل حق کی نظریں آج بھی ان کا ادراک کرتی ہیں

حضرت فخر الاسلام کا معاملہ اپنے خدام کے ساتھ بجائے خود ایک عجیب و غریب ہو جاتا اگر خود فرسٹ کلاس میں سفر کرتے تو خادم کو بھی فرسٹ میں رکھتے جو کچھ خود کھاتے وہی خادم کو کھلاتے اگر طویل سفر ہوتا تو اکثر شب جاگنے میں گذار دیتے اور اپنے خادم کے آرام کا خیال رکھتے ان کے رفقاء سفر اکثر کہتے تھے کہ حضرت کے ساتھ سفر کرنے میں بڑا مزہ ہے سفر میں تو بالکل ایسا ہو جاتا ہے کہ جیسے حضرت خادم ہیں اور ہم مخدوم ہیں۔

راقم الحروف کو بھی بارہا حضرت کے ساتھ سفر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے مگر میرے ساتھ زیادہ تر اسفار کار میں ہوئے ٹرین کا ایک سفر یاد پڑتا ہے غالباً ۲۶، ۲۷ اپریل ۱۹۷۱ء میں جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا اجلاس نئی دہلی میں ہونے والا تھا حضرت نے ۲۴ کی شام کو مجھے بلایا اور فرمایا کہ کل تمہیں میرے ساتھ دہلی چلنا ہوگا کیونکہ مولوی عبد القیوم صاحب بحر العلوم اصیل پور میں مدرس ہو گئے ہیں مولانا سیف اللہ کا تقرر مدرسہ شاہی میں ہو چکا ہے مولوی احمد اللہ وغیرہ کا یہیں رہنا ضروری ہے میں نے تعمیل ارشاد کرتے ہوئے دریافت کیا کس وقت آپ نے فرمایا صبح چار بجے میں ۳½ بجے ہی دولت کدہ پر حاضر ہو گیا دیکھا حضرت صلوۃ تہجد میں مستغرق ہیں میں نے بھی وضو کیا اور مدنی منزل کے باہر چبوترے پر نفل پڑھنے لگا تھوڑی دیر بعد ہی مولانا رابستہ علی صاحب ناشتہ لیکر پہونچ گئے ناشتہ سے فراغت پاکر ہم رکشہ میں بیٹھ گئے دار العلوم کے ۱۸-۲۰ طالب علم اور بھی اسٹیشن حضرت کو پہونچانے کے لئے گئے گاڑی میں دیر تھی ہم مسافر روم میں تھے حضرت تسبیحات میں مصروف تھے ٹرین آئی اور فرسٹ کلاس کا ڈبہ وہیں آکر رکا جہاں حضرت کھڑے ہوئے تھے حضرت سوار ہو گئے ٹرین چالو ہو گئی

ڈبہ میں بجلی کا پنکھا چل رہا تھا حضرت کو بربناء ضعف ہوا بری معلوم ہو رہی تھی لیکن حضرت نے ڈبہ میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کا خیال کرکے پنکھا بند کرنے کا حکم نہ دیا شاید اس شخص کو گرمی

لگتی ہیں نے حضرت کے بدن سے ناگواری کے اثرات محسوس کر کے حضرت سے دریافت کیا کیا پنکھا بند کر دوں حضرت نے اشارہ سے منع فرما دیا مگر وہ شخص اس سوال اور جواب نما اشارے سے تاڑ گیا کہ شاید مولانا کو ہوا بری لگ رہی ہے اس لئے اس نے خود ہی سوئچ آف کر دیا

جب میرٹھ کا اسٹیشن آیا تو بہت سے عقیدت مند ارباب مدارس اسٹیشن پر ہجوم لگائے ہوئے تھے حضرت کو ڈبے سے اتارنے کی کوشش کی حضرت نے انکار کر دیا وہ لوگ اندر ناشتہ وغیرہ لے کر آئے حضرت پہلے ہر چیز میری جانب بڑھاتے تھے پھر خود کھاتے تھے میں چار و ناچار حکم بجالانے پر مجبور تھا

دہلی پہونچ کر بذریعہ کار دفتر جمعیۃ علماء ہند بہادر شاہ ظفر مارگ پہونچے وہاں ارکان جمعیۃ نے پرتپاک خیر مقدم کیا حضرت نے مجھے بھی اپنے ہی روم میں رکھا اور ہر وقت کے کھانے اور چائے میں مجھے مقدم رکھتے اور ہر طرح کی راحت کا خیال فرماتے

یہ تھے آپ کے مکارم اخلاق اپنے رفقاء سفر کے ساتھ جو پتھر کو بھی موم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں سه

خدمت خلق اثر رکھتی ہے
لعل و سیمین و گہر رکھتی ہے

رفقائے کار اور ماتحتوں کے ساتھ

رفقائے کار کے ساتھ اخلاق اور حسن سلوک کا مظاہرہ مختلف وجوہ سے حیرت و استعجاب کا باعث ہوتا ہے چہ جائیکہ اپنے ماتحت رہنے والے عملے سے بہتر بن سلوک بلکہ اُن سے زیادہ کام کرنے کا جذبہ کار فرما ہو شیخ الاسلام اور فخر الاسلام یہ دو شخصیتیں دار العلوم دیوبند اور جمعیۃ علمائے ہند کے قائد اور ذمہ دار کی حیثیت سے اس کا ثبوت پیش کرنے کے لئے کافی ہیں

ان دونوں اداروں کے ارباب حل وعقد روتے ہیں کہ ہمیں ان جیسا افسر اور قائد نہیں ملا اور نہ شاید قیامت تک کوئی نصیب ہو کیونکہ عام طور سے اونچے عہدہ پر پہونچنے کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ کام کم کرنا پڑے اور نام زیادہ ہو عیش اور تفریحات کے مواقع بکثرت حاصل ہوں لیکن سید المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سید القوم خادمہم کا جو تصور پیش کیا ہے اس سے آج کی ترقی یافتہ نسلیں ہزار ہا میل دور ہیں

مگر اللہ کے نیک بندے جب کسی عہدہ پر پہونچتے ہیں تو احساس ذمہ داری اس قدر غالب ہو جاتا ہے کہ دن کا چین اور رات کی نیند پہلو تہی کر لیتی ہے اور اپنے فرائض کو ادا کرنے

کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں حضرت فخر الاسلام باوجودیکہ تمام اساتذہ دار العلوم میں سب سے زیادہ عمر رسیدہ اور ضعیف و نحیف تھے مگر محنت کرنے میں سب سے زیادہ پیش پیش رہتے تھے دار العلوم کی جانب سے صرف ایک گھنٹہ تدریس ضروری تھی مگر حضرت شدید گرمی کے زمانہ میں تین چار گھنٹے دن میں اور دو تین گھنٹہ رات میں بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے

صدر المدرسین بننے کے بعد تعلیمات کے کام بھی آپ کے فرائض میں داخل ہو گئے — جس کا مفہوم دار العلوم کی اصطلاح میں صرف نگرانی تھا مگر حضرت روزانہ کافی کافی دیر دفتر تعلیمات میں رہ کر فرائض کی انجام دہی فرماتے تھے کبھی کسی ملازم کے کام میں کوتاہی دیکھتے تو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اس کو سمجھا دیا کرتے تھے

دار العلوم کے ہنگامی کاموں کو جب دوسرے مدرسین پر تقسیم فرماتے تو اپنے لئے زیادہ کام مخصوص فرما لیتے بسا اوقات مدرسین آپ کی ضعف پیری اور ناتوانی کا خیال فرماتے ہوئے بضد ہو کر آپ کے کام بھی اپنے ذمہ لے لیا کرتے تھے بخاری شریف آخری سالوں تک آپ ہی پڑھانے کی کوشش فرماتے تھے طلباء آپ کی ناتوانی کا خیال کر کے جلد ثانی دوسرے مدرسوں کو دینے کی خواہش کا اظہار کرتے حضرت فرماتے بھائی دوسرے لوگوں پر بار ڈالنا مناسب نہیں، اپنا کام خود ہی کرنا چاہیئے۔

آخر کچھ سالوں میں طلباء کے غیر معمولی اصرار پر آپ نے جلد ثانی حضرت مفتی اعظم مولانا محمود احمد صاحب گنگوہی کو دیدی حضرت مفتی صاحب بعد العشاء دو گھنٹے درس دیا کرتے تھے فخر الاسلام جب بھی بخاری پڑھانے کا حکم دیتے خود حضرت مفتی صاحب کے دولت کدہ پر تشریف لیجاتے طلباء نے بار با گذارش کی کہ حضرت مفتی صاحب بطیب خاطر آپ کے پاس آ سکتے ہیں آپ وہاں جانے کی زحمت گوارہ کیوں فرماتے ہیں جس کے جواب میں آپ فرماتے کہ بھائی کام میرا ہے ان کو کیوں بلاؤں محتاج محتاج الیہ کے پاس جاتا ہے نہ کہ محتاج الیہ کو اپنی جانب بلاتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب یا دوسرے اساتذۂ دار العلوم جب بھی آپ کی قیام گاہ پہونچتے آپ فوراً بیٹھ جاتے اور نہایت بیرتپاک طریقے سے خیر مقدم کرتے کوئی مدرس یا عملہ کا ملازم اگر آپ سے کوئی بھی بات کرنے کے لئے آتا تو آپ صحن میں جاکر اس کی بات سن لیتے کمزوری کے باوجود اٹھنے میں آپ کو ذرہ برابر تکدر نہ ہوتا کسی وقت بھی آپ کو یہ کہتے نہیں سنا گیا کہ اس وقت میں آرام کر رہا ہوں پھر کسی وقت آنا یا اب موقع نہیں ہے۔

ظہر کے بعد کا وقت آپ کے اخبار دیکھنے کا تھا تعلیمات کے محرر جناب منشی عزیز احمد صاحب دفتر تعلیمات کے کاغذات لیکر اکثر اسی وقت پہونچتے تھے آپ اپنے معمولی کو چھوڑ کر اس وقت بھی

تعلیمات کے کام میں مصروف ہو جاتے آپ کے خادم خاص نے بار ہا آپ سے مشورہ طلب کیا کہ اس وقت آنے کے لئے محرر صاحب کو منع کر دیا جائے لیکن آپ فرماتے کہ بھائی جو وقت ان کا کام سے خالی ہو گا اسی وقت تو آئیں گے اس ننھا آدمی پر کام کی بہت زیادہ ذمہ داریاں ہیں ہم اس کو اپنے وقت کے تابع بنائیں یہ مناسب نہیں ہے

مولانا ریاست علی صاحب بجنوری آپ کی درسی تقریر بخاری کو جمع فرما رہے تھے جو ایضاح البخاری کے نام سے قسطوار شائع ہو رہی ہے وہ اس کا مسودہ حضرت کو دکھلانے کے لئے لاتے تھے جس وقت بھی وہ آجاتے حضرت اپنے کام چھوڑ کر ان کے کام میں لگ جاتے مولانا ریاست صاحب صفحہ وار سناتے جاتے حضرت سنتے رہتے جہاں کہیں کچھ تردد ہوتا حضرت اس کو کٹوا کر صحیح اور با حوالہ تشریح لکھا دیتے کبھی حضرت کے چہرہ پر ناگواری محسوس نہیں ہوئی حالانکہ مولانا ریاست علی صاحب آپ کے شاگرد اور خادم تھے ان سے جس وقت کے لئے بھی کہا جاتا وہ حاضر ہو جاتے لیکن حضرت کی طبع سلیم یہ گوارہ نہ کرتی تھی کہ اپنے ماتحتوں کو بھی اپنی مصلحت اور فرصت کے تابع کیا جائے جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب مدظلہ جب کبھی اسفار سے فارغ ہو کر دیوبند پہونچتے اور حضرت سے کسی سلسلہ میں مشورہ طلب کرنا چاہتے تو آپ ہمہ وقت اس کے لئے تیار رہتے

اور ان کے لئے وقت نکال دیتے۔ جمعیۃ علماء کی مجلس عاملہ کی میٹنگ کے لئے جو تاریخیں متعین کر دیتے حضرت ان تاریخوں میں اپنے دوسرے پروگرام منسوخ فرما دیتے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے مختار کل ہونے کے باوجود عاملہ کی تاریخوں میں رد و بدل کیا ہو شرکت عاملہ سے مانع علاوہ مرض کے کوئی دوسرا عذر نہ ہوتا تھا

دوستوں کے ساتھ

دنیا میں محبت اور تعلق کا دار و مدار رفاقت پر مبنی رکھا جاتا ہے اور یہ امر حقیقت اور واقعیت بھی لئے ہوئے ہے کہ رفاقت اور دوستی فروغ تعلق کا ایک اہم اور موثر ذریعہ ہے لیکن اللہ کے نیک بندے کسی دنیاوی منفعت یا لالچ کے پیش نظر تعلق یا عدم تعلق کا انحصار نہیں رکھتے بلکہ ان کی دوستی دشمنی سب کچھ لحصول رضا اللہ ہوتی ہے حدیث پاک میں بھی الحب للّٰہ والبغض للّٰہ کے ذریعہ لوگوں کو رغبت دلائی گئی ہے کہ ان کی رفاقت اور عداوت اللہ کے لئے ہونی چاہیئے قیامت کے دن عرش کا سایہ بھی اس شخص کے سر پر ضرور رہے گا جو اس فارمولہ پر عمل پیرا ہوگا

لیکن اس شخص کو کیا کہئے جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ حصول رضا کے لئے وقف ہو جو اللہ اور رسول سے اور ان کے احکامات سے غایت درجہ دل بستگی اور وابستگی رکھتا ہو جس کا اوڑھنا بچھونا قال اللہ اور قال الرسول ہو حضرت فخر الاسلام کی شخصیت

ایسی ناقابل فراموش خصوصیات سے مرصع تھی آپ کسی سے دنیاوی لالچ کے تحت تعلق نہ رکھتے تھے بلکہ اسلامی بھائی چارگی اور اخوت کو فروغ دینا آپ کی زندگی کا لائحہ عمل تھا آپ ہر ایک سے مخلصانہ تعلق اور بھائی چارگی رکھتے تھے
انسان اپنے دوستوں کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے دوستی کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے رفیق سے بے تکلفانہ اور رازدارانہ گفتگو کر سکے بالفاظ دیگر دوست کے سامنے انسان اپنا ظاہر اور باطن ایک کر سکے اور اس کی حقیقتیں اس کے سامنے بے حجاب ہوں اسی اصطلاح کی روشنی میں ہر انسان کا دائرہ احباب اس کی طبعی اور فطری پسندیدگیوں کا اظہار کرتا ہے چور کی دوستی چوروں سے شرابیوں کی دوستی میکشوں سے غرض شریف کی دوستی شریف اور رذیل کی دوستی رذیل سے ہوا کرتی ہے اسی طرح عالم کا تعلق عالم سے اور جاہل کا عشق جاہل سے ہوتا ہے ہر انسان کا ضمیر اس کے آئینۂ احباب میں بآسانی دیکھا جا سکتا ہے
حضرت فخرالاسلام کا تعلق بھی اہل حق خدا ترس اور علم دوست افراد سے تھا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سے آپ کے بہت والہانہ تعلقات تھے آپ ہمیشہ ان کی تعریف کیا کرتے جب بھی مرادآباد براستہ سہارنپور تشریف لیجاتے حضرت شیخ الحدیث صاحب کے دیدولت پر ضرور حاضر ہوتے یہ تعلق اپنے آخری مراحل پر اس درجہ پہونچا ہوا تھا کہ شیخ الحدیث

بخاری شریف کا درس دیتے ہوئے ہوتے تو حضرت وہاں پہونچ جایا کرتے تھے مجھے یاد پڑتا ہے ۵۸۹ء میں مجھے بھی حضرت کے ساتھ سہارنپور جانے کا اتفاق ہوا میں نے دیکھا حضرت وہیں پہونچ گئے جہاں بخاری کا درس جاری تھا اور حضرت شیخ الحدیث صاحب کے پیچھے بیٹھ گئے اور غور سے سبق سنتے رہے ۱۵۔ ۲۰ منٹ بعد جب سبق ختم ہوا اور حضرت نے شیخ الحدیث صاحب سے ملاقات کی تو دیکھکر حیران وششدر رہ گئے پوچھا کب تشریف لائے تو حضرت نے وقت بتلایا شیخ الحدیث صاحب فرمانے لگے مجھے معلوم نہیں تھا ورنہ آپ سے سبق پڑھوا تا اس شب حضرت کا وہیں قیام رہا شریعت اور طریقت کے بہت سے مسائل پر گفتگو ہوتی رہی۔

دنیا پرست جب آپس میں ملتے ہیں تو دنیاداری کی باتیں کرتے ہیں مگر جب کبھی اللہ والے بزرگان دین یکجا ہوتے ہیں تو خدا رسول کے ارشادات کی بازگشت ہوتی ہے اور ہر ایک دوسرے سے مخلصانہ اور والہانہ طرز پر ملتا ہے اور علم وتصوف یا زہد وتقوی پر گفتگو کرتا ہے

دنیوی اغراض ومقاصد پر بنا رفاقت رکھنے والوں میں ایک دوسرے لئے خلوص نہیں ہوتا بلکہ طبیعتیں باہمی بغض وعناد کینہ وحسد سے بھری ہوئی ہوتی ہیں ہر ایک دوسرے کو نقصان اور خود کو نفع پہونچانے کے درپے رہتا ہے دوسرے کی عزت وناموس کا کوئی خیال نہیں رکھتا

خودغرضی کامل طور پر سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے لیکن خالصۃً
لوجہ اللہ تعلق رکھنے والوں میں یہ مہلک جراثیم نہیں پائے
جاتے بلکہ ہر ایک کا دل ایثار و قربانی سے سرشار رہتا
ہے اپنے نفع سے زیادہ دوسرے کے نفع کا اور اپنی عزت
سے زیادہ دوسرے کی عزت کا خیال رہتا ہے
سنہ ۹۰ھ میں دارالعلوم دیوبند کا انعامی جلسہ دارالحدیث
تحتانی میں ہو رہا تھا حضرت فخرالاسلام مسند صدارت
پر جلوہ افروز تھے دوران خطبہ حضرت مولانا اسعد صاحب
مدنی حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کو دارالحدیث
میں لے آئے فخرالاسلام ان کو دیکھتے ہی کھڑے ہوگئے اور
مسند صدارت پر شیخ الحدیث صاحب کو بٹھلا دیا خود ان
کے سامنے دوزانوں ہو کر بیٹھ گئے پھر حضرت مولانا معراج الحق
صاحب نائب مہتمم اپنی جگہ سے اٹھے اور اپنی جگہ حضرت
فخرالاسلام کو بٹھلا دیا یہ تھا ان حضرات کا اخلاص و ایثار
جس کو دیکھ کر قرون اولیٰ کی یاد تازہ ہوتی تھی
ہر ایک بزرگ کس طرح کسر نفسی کرتا تھا اور اپنے رفیق اور ساتھی
کے لئے ایثار کے دریا بہا دیتا تھا۔
حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری کے بھتیجے حضرت
مولانا سید حسن صاحب عارفی بھی آپ کے ساتھیوں اور
رفیقوں میں ہوتے ہیں زمانہ طالب علمی میں حضرت کا مولانا
موصوف سے بہت بے تکلفانہ تعلق رہا ہے حضرت شیخ الہند

کی خدمت میں بھی یہ دونوں بزرگ ساتھ رہے ہیں لیکن درمیان کا عرصہ دراز ایسا گذرا کہ دونوں کے درمیان ملاقات نہ ہو سکی کیونکہ حضرت بھی یکسو ہو کر مرادآباد یا دیوبند میں مقیم رہے اور مولانا سید حسن صاحب نے بھی آنولہ اور اس کے بعد کافی طویل سکونت اختیار کی تھی

جب مولانا سید حسن صاحب بانور بلند شہر حسنیہ میں بحیثیت صدر المدرسین آئے تو راقم الحروف کے ذریعہ حضرت کے پاس پیغام بھیجا کہ دو تشنہ دلوں کو سیرابی کب حاصل ہو گی میں نے حضرت تک یہ پیغام پہونچا دیا حضرت مسکرائے اور فرمایا کہ صرف خواہش ملاقات سے کیا ہوتا ہے جب تک خواہش کو عملی جامہ نہ پہنایا جائے بے سود ہے آپ تشریف لائیں تو سیرابی خود بخود ہو جائے گی

میں نے یہ الفاظ مولانا سید حسن صاحب مدظلہ سے نقل کئے مولانا نے دوسرا پیغام بھیجا کہ اگر مجھ میں قوت پرواز ہوتی تو ضرور آپ تک پہونچ جاتا میں بربناء ضعف دیوبند پہونچنے سے قاصر ہوں میں نے جب یہ پیغام حضرت کو دیا تو کہنے لگے وہ بھی ضعیف ہیں میں بھی ضعیف ہوں پھر کس طرح ملاقات ممکن ہے محبت کے نتائج حاصل کرنے کے لئے تو حرکت ضروری ہوتی ہے بدون حرکت محبت کے ثمرات کا حصول ناممکن ہے اسلئے مولانا کو ضرور یہاں پہونچنے کی زحمت گوارا کرنی ہوگی اگر وہ اس سے قاصر ہیں تو بصد افسوس یہ کہنا پڑیگا۔

تمہیں غیروں سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کب خالی
چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

راقم الحروف نے دوسرے کے پیغام کا جواب بھی مولانا کی خدمت میں پہونچا دیا مولانا بھی مسکرائے اور فرمایا بھائی اب تکمیل کرنی ہی پڑے گی

اس کے بعد ان دو مخلص بزرگوں میں بذریعہ خط و کتابت گفت و شنید ہوتی رہی یہاں تک کہ تقریباً تیس سال کے بچھڑے ہوئے دو دل پھر مل گئے اور اسطرح خلوص آمیز تعلقات کو از سر نو بروئے کار آنے کا موقع پھر فراہم ہوگیا۔

مخالفین کے ساتھ

زیر نظر عنوان حضرت فخر الاسلام کے متعلق نا مناسب معلوم ہوتا ہے لیکن اسلاف کی شخصیت کے نشیب و فراز مخالف سمتوں میں تلاش و تتبع کے بعد صحیح معنی میں درشن ملتے ہیں اس مفہوم کو تعرف الاشیاء باضدادہا سے تعبیر کیا گیا ہے رفقاء اور مصاحبین کے ساتھ حسن سلوک ایک طبعی چیز ہے لیکن مخالفین کے ساتھ بہتر سلوک کرنا کوئی آسان بات نہیں ہر انسان اپنے مخالف کو نیست و نابود کرنے کے درپے رہتا ہے حتی الوسع ایذا رسانی کرتا ہے صرف وہ انسان جس کی سرشت میں شرافت و مروت سرایت کئے ہوئے ہو بہ سہولت پا کر [illegible]

فرمان پر عمل پیرا ہو گا صل من قطعک و اعف عمن ظلمک و احسن الی من اساء الیک یعنی تم اس سے جڑو جو تم سے کٹنا چاہے اس کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ کرو جو تم پر ظلم کرے اور اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو جو تمہارے ساتھ برے معاملہ سے پیش آتا ہو۔

حضرت فخر الاسلام کی شرافت اور مکارم اخلاق سے ہر شخص اس درجہ متاثر ہوتا تھا کہ اس کے قلب سے تمام مخالفانہ جذبات منعدم ہو جاتے تھے اس لئے آپ کے مخالفین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تاہم جن لوگوں پر خدا کی پھٹکار ہوتی ہے اور وہ اہل اللہ سے بلا وجہ پرخاش رکھتے ہیں ایسے لوگوں کے نزدیک انبیاء کرام اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی شخصیات بھی قابل تنقید اور لائق اعتراض ہوتی ہیں چہ جائیکہ علماء کرام کی شخصیات۔ علماء سے ان کو للہی بیر ہوتا ہے اور ان کو ملت فروش خوابیدہ ضمیر اور غدار قوم جیسے خطابات سے نوازتے ہیں

ایسے بدنصیب اشخاص فخر الاسلام کی ذات کو بھی طعن و تشنیع سے نوازے بدون نہ رہتے تھے اور صدر جمعیۃ علماء یا شیخ دار العلوم ہونے کے باعث ملت کی تمام تر تباہیوں اور بربادیوں کو حضرت کی ذات ہی سے منسوب کرتے تھے خفیہ طور پر بھی بعض نا عاقبت اندیش نکتہ چینی سے دریغ نہ کرتے تھے مگر جب وہ حضرت کی مجلس میں پہنچ جاتے یا حضرت سے

کہیں ملاقات کرتے حضرت کو ذرہ برابر تکدر نہ ہوتا بڑی خوش اخلاقی و انکساری سے پیش آتے اور ان کو پند و نصائح سے نوازتے اس وقت دیکھنے والا ہرگز یہ محسوس نہ کر سکتا تھا کہ یہ لوگ حضرت کے مخالفین میں ہیں

رؤساء ملک کے ساتھ

حضرت اپنے اصول و ضوابط میں اس قدر پختہ تھے کہ کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی حضرت کے اصول توڑنے کی ہمت نہ رکھتی تھی برٹش گورنمنٹ کے زمانہ میں آپ کی متعدد بار گرفتاری خود اس امر کی غمازی کرنے کے لئے کافی ہے آپ نے ہمیشہ حق کو حق اور باطل کو باطل کہا بڑی سے بڑی بات ان جابر افسروں کی موجودگی میں کہہ ڈالی قلب و جگر کو ذرا سی لرزش نہ ہوئی ضعیف الجسم انسان کی جرأت و جسارت پر باطل کے بڑے بڑے دیو رشک کرتے تھے مگر یہ شیر ببر اپنے اس اصول پر ہمیشہ کاربند رہا ہے

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت فخر الاسلام جیل میں بھی نماز باجماعت کی شدت

سے پابندی کرتے تھے ایک بار افسر جیل نے حضرت کے اس عمل پر مواخذہ کیا تم نماز کے بہانے قیدیوں کو یکجا کرتے ہو جس سے اس بات کا اندیشہ شدت سے محسوس کیا جاتا ہے کہ کسی وقت تمام قیدی کسی شورش کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں جس پر حفاظتی عملہ کو قابو پانا دشوار ہو جائے اس لئے نماز میں جماعت کا اہتمام نہ کیا جائے اپنے اپنے کمروں میں تنہا نماز ادا کی جائے حضرت اس کا یہ حکم سنکر کوہ آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑے اور فرمایا کہ ہمارے کسی عبادت کے ساتھ شرائط و السنہ کرنا مداخلت فی الدین ہے اس کو ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا ہم اپنے مذہبی طریقے سے نماز ادا کریں گے کوئی طاقت ہمیں اس سے باز نہیں رکھ سکتی افسر خاموش رہ گیا اور اس کے بعد کوئی کارروائی نہ کر سکا۔

سابق وزیر اعظم کشمیر شیخ محمد عبداللہ ۸۷ء میں دارالعلوم دیوبند آئے دارالحدیث تحتانی میں ان کے اعزاز میں جلسہ کیا گیا۔ شیخ صاحب حضرت سے نہایت عاجزانہ انداز میں ملے اور حضرت سے دعاء خیر کے لئے درخواست کی۔

راقم الحروف کے چار سالہ دور طالبعلمی میں دارالعلوم دیوبند میں بکثرت رؤساء ملک تشریف لائے وزیر اعلیٰ یوپی، گورنر صاحبان وزیر برقیات و تعلیم بھی بارہا آئے مصر شام اور دیگر ممالک اسلامیہ کے سفراء اور ذمہ دار بھی کئی مرتبہ دارالعلوم آئے

ان کے اعزاز میں ہونے والے جلسوں میں کی صدارت کے لئے اکثر حضرت کو ہی منتخب کیا جاتا تھا حضرت کبھی اردو کبھی انگریزی میں حسب موقع خیر مقدم کرتے تھے حضرت کے ملفوظات سے سربراہان مملکت بہت خوش ہوتے حضرت کے ساتھ جب کسی کسی گورنر یا منسٹر کو چلتے ہوئے دیکھا گیا نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ چلتے دیکھا گیا بالخصوص سفراء ممالک غیر تو نہایت نیاز مندانہ طریقہ پر پیچھے پیچھے ہاتھ باندھ کر چلتے تھے

صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی وفات حسرت آیات کے موقع پر حضرت بھی دہلی تشریف لائے تھے آپ ہی نے ڈاکٹر صاحب کی نماز جنازہ پڑھائی اس موقع پر بھی بڑے بڑے وزراء اور ممبران پارلیمنٹ نے آپ سے شرف لقاء حاصل کیا آپ نہایت خود داری کے ساتھ ان سے ملتے اور دعائیہ کلمات سے نوازتے

رفقاء جیل کے ساتھ

مصیبت اور پریشانی کے وقت میں بیٹا باپ کو اور باپ بیٹے کو بھی فراموش کر دیتا ہے اخوت بھائی چارگی رشتہ داری اور دوستی کا پاس و لحاظ رکھنے والے تو ایسے وقت میں ناپید ہو جاتے ہیں لیکن ملت کا درد رکھنے والے ہر حال میں اپنے رفقا اور ساتھیوں کا خیال رکھتے ہیں

قید و بند کی زندگی بڑی کٹھن ہوتی ہے ہر ایک نفسی نفسی میں مبتلا ہوتا ہے بہت سے سیاسی لیڈر اپنے ساتھیوں

سے غداری کر کے حکومت کے ساتھ مل جاتے ہیں اور سیاسی تحریکات سے ہمیشہ کے لئے تائب ہو جاتے ہیں مگر مولانا قاسم نانوتوی، حضرت شیخ الہند، حضرت گنگوہی حضرت شیخ الاسلام حضرت مجاہد ملت، سحبان الہند، اور فخر الاسلام وغیرہ نے کبھی دنیاوی لالچ کے آگے سر خم نہیں کیا اپنی تحریکات کو واپس نہیں لیا اپنی قوم کو کشت و خون میں چھوڑ کر کبھی ان سے لاپرواہی نہیں کی

ملت کا درد اس درجہ رکھتے تھے کہ اگر اے کلاس کبھی ملی تب بھی تمام ایام جیل دوسرے قیدیوں کے بارگ میں رہکر گزار دیئے اور ان جیسا کھایا ان جیسا پہنا اور ان کو تختہ دار پر چھوڑ کر کبھی نہیں بھاگے جب تک ایک ایک قیدی ان کی نظروں کے سامنے رہا نہ کر دیا جاتا وہ خود جیل سے باہر نہ نکلتے تھے اگر قید بامشقت کی سزا ہوئی تو خود اپنے آرام کا کمرہ چھوڑ کر زبردستی ان کے بارگوں میں پہونچے اور اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ مل کر کام کیا تاکہ ان کا دل تھوڑا نہ ہو اور وہ تحریکات کو آگے لیجانے سے باز نہ رہیں

حضرت فخر الاسلام نے ولایتی مال کا بائیکاٹ اور نمائش سے احتراز کرنے کے سلسلہ میں رضا کارانہ نظام قائم کر کے پورے ملک میں ہلچل مچائی اس نے انگریز کے بہادر سپوتوں کے دل مرعوب کر دیئے جس کے نتیجہ میں ان تحریکات کا قلع قمع کرنے کے پیش نظر فخر الاسلام کو بھی سنیکڑوں

رضاکاروں سمیت گرفتار کر لیا گیا اگرچہ حضرت کو اے کلاس دی گئی مگر آپ عام طور پر اپنا وقت دوسرے رضاکاروں کے ساتھ گزارتے اُن کے پُر مشقت کاموں میں اُن کا ہاتھ بٹاتے اور آپ کو جو چیزیں خصوصیت کے ساتھ ملتیں آپ اُن کو سب پر تقسیم کرنے کے بعد کھانے اور اُن کے معمولی اور صحت شکن کھانوں میں خود بھی شریک رہتے یہ تھا آپ کا جذبہ ہمدردی اور مکارم اخلاق کا اثر جس نے ہزاروں افراد کو آپ کے شانہ بشانہ رہ کر رضاکارانہ خدمت انجام دینے پر مجبور کیا۔

اساتذۂ کرام کے ساتھ

اساتذہ سے محبت اور انسیت بھی ایک طبعی چیز ہے مگر دوسرے تعلقات اور اساتذہ کے ساتھ ربط میں نمایاں فرق ہوتا ہے رشتہ داروں رفیقوں اور مصاحبوں سے محبت بر بنائے قربت یا رفاقت ہوا کرتی ہے لیکن اساتذہ سے محبت بر بنائے عظمت ہوتی ہے استاذ کا درجہ درحقیقت دنیا کے تمام رشتوں کے درجہ سے فوقیت رکھتا ہے لیکن آج کی موڈرن تہذیب نے استاد اور شاگردوں میں آقا اور محکوم جیسا رشتہ قائم کر دیا آج کے نظام تعلیم نے شاگردوں کے اذہان میں یہ تصور قائم کر دیا کہ استاد ہمارا محتاج ہے نہ کہ ہم استاذ کے محتاج ہیں وہ پڑھاتا ہے اور تنخواہ لیتا ہے اگر ہم پڑھنے

والے نہ رہیں تو استاذ کو تنخواہ ملنا کیا معنی رکھتا ہے اگر اس تصور کا اثر تعلیمی ابتری پر پڑ رہا ہے بعض بدبخت اپنے استاذ کو امتحان میں نگرانی یا تعلیم کے سلسلہ میں تنبیہ کرنے کی پاداش میں چاقو زنی اور خنجر زنی کا شکار کر دیتے ہیں ایسی نسل کے طبقہ سے کوئی دوسری توقع کیا رکھی جاسکتی ہے کہ وہ استاذ کے ساتھ حسن سلوک یا اچھے اخلاق کا معاملہ کرے

خوش نصیب آج بھی استاذوں کو ماں باپ تک سے اونچا درجہ دیتے ہیں ان کے چرنوں میں اپنا سر رکھنے پر فخر محسوس کرتے ہیں علوم عربیہ حاصل کرنے والے خوش بخت استاذ کو اپنا مربی و مشفق تصور کرتے ہیں اور اس کی خدمت کو فلاح دارین کا ضامن سمجھتے ہیں حضرت فخر الاسلام نے بھی اپنے اساتذہ کی بہت زیادہ خدمات کیں ہیں

حضرت شیخ الہند کی خدمت میں بہت عرصہ رہے حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری کی خدمت بھی بہت زیادہ کی ہے خدمت میں اس درجہ کمال رکھتے تھے کہ شاہ صاحب نے بہت سی خدمتیں آپ ہی کیلئے مخصوص کر رکھی تھیں کیوں کہ دوسرے شاگردان کو عمدہ طور پر نہ کر پاتے تھے حضرت شاہ صاحب کی چائے بنانے پر بھی حضرت ہی مامور تھے

حضرت مولنا سید حسن صاحب اور مولنا عبدالرحیم صاحب مدظلہ فرماتے تھے کہ ہم تمام ساتھیوں میں حضرت شیخ الہند کی سب سے زیادہ خدمت کرنے والے شیخ الاسلام اور

فخر الاسلام ہی تھے ہمیں ان حضرات کی خدمت پر رشک ہوتا تھا
یہی جذبہ خدمت تھا جس نے اس شخصیت کو کامیابی کی معراج اور ترقی کی منہاج پر فائز کیا اور آپ مقبول خاص و عام ہوئے۔

طلباء عزیز کے ساتھ

حضرت کا معاملہ نہ صرف حلقہ درس بخاری کے طلباء سے بلکہ جمیع طلباء دار العلوم سے مشفقانہ اور مربیانہ تھا آپ ہر طالب علم کا درد اپنے سینے میں رکھتے تھے اور ہر ایک کی ضرورت کے وقت کام آتے تھے کوئی طالب علم آپ کی خدمت میں آکر اگر اپنی ضرورت کا اظہار کرتا اور دس پانچ روپیہ کا مطالبہ کرتا تو آپ دینے سے دریغ نہ فرماتے تھے کسی طالبعلم کا نمبر کم آنے کی بنا پر اگر کھانا بند ہوتا اور وہ آپ سے آکر التجا کرتا تو آپ اس کی وجہ سے قانون شکنی کو ہرگز گوارہ نہ کرتے تھے بلکہ اپنی جانب سے کچھ دے دیا کرتے یا مولانا سید اسعد مدنی صاحب سے سفارش کر دیتے تھے۔
(مولانا اسعد صاحب بھی ہر سال ۵۰ - ۶۰ لڑکوں کو کھانا دیا کرتے تھے)
۸۹ھ میں جب اسٹرائک ہوئی تو راقم الحروف بھی دیوبند موجود تھا حضرت کو جب طلباء کی جارحانہ شورش

اور تعلیمی مقاطعہ کا علم ہوا تو بہت رنج کیا اور فرمایا کہ شیطان اپنا اثر کئے بدون نہیں رہتا بلا وجہ اس تعلیمی تسلسل کو ختم کیا جا رہا ہے جب کہ سالانہ امتحان میں بھی زیادہ عرصہ نہیں رہا آپ نے طلباء کو افہام وتفہیم کے لئے بلایا مولوی اعجاز احمد مولوی طاہر گیاوی مولوی غلام قادر کشمیری اور مولوی خلیق الزماں مونگیری کا ایک وفد حضرت سے جا کر ملا

حضرت نے نہایت بلیغ انداز میں سمجھایا اور مطالبات سنکر ممکن حد تک فہمائش کی بالخصوص طلبہ کا یہ مطالبہ کہ حضرت مولنا معراج الحق صاحب مدظلہ کو نیابت سے معزول کیا جائے حضرت کے نزدیک تباہ کن مطالبہ تھا آپ نے فرمایا کہ استاذ کا دل دکھانا کوئی اچھی بات نہیں مولنا معراج الحق صاحب مدظلہ دار العلوم کے وقیع اساتذہ میں سے ہیں تم لوگوں نے بھی ان سے استفادہ کیا ہے لہذا ان کے خلاف ہر تحریک تم لوگوں کے مستقبل کو تباہ کرنے والی ثابت ہوگی

جمعیۃ الطلباء کے مطالبہ سے متعلق حضرت نے فرمایا کہ تحریری اور تقریری صلاحیتوں کے اجاگر کرنے کا انتظام ہونا چاہئے لیکن موجودہ انجمنیں اس مقصد اصلی سے قطع نظر کر لیتی ہیں اور حصول اقتدار کے لئے لڑائی شروع ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے تعلیم میں غیر معمولی خربطہ پیدا ہو جاتا ہے اور دینی تعصب فروغ پانے لگتا ہے جو اسلام اور دینی تعلیم کے سرتاسر خلاف ہے

فہمائش کے باوجود طلباء کے منفی رویہ کو دیکھکر آپ نے فرمایا بھائی ہماری بات تو ایسی ہے کہ ہم چند روز کے مہمان ہیں نہ معلوم کس وقت بلاوا آجائے لیکن نئی نسلوں پر دارالعلوم کے بقاء و ترقی کی ذمہ داری ہے دارالعلوم کے خلفشار اگر بڑھتے گئے تو میں نہیں کہہ سکتا کہ علوم عربیہ کا ہندوستان میں کیا مستقبل ہے علم اللہ کی امانت ہے جب تک لوگ اس کی قدر کرتے ہیں یہ امانت برقرار رہتی ہے ورنہ اٹھ جاتی ہے بغداد اور بخارا کے بعد مصر پھر دہلی اور اس کے بعد دیوبند مرکز علوم رہا ہے لہٰذا اس کی قدر کرو اور دارالعلوم کو نقصان پہونچانے والی کسی تحریک میں شرکت نہ کرو سہ

مراد ما نصیحت بود گفتیم
حوالت با خدا کردیم و رفتیم

حضرت کا معاملہ ہر طالب علم کے ساتھ یکساں رہتا اور ہر ایک کے مستقبل کی فکر حضرت کو دامن گیر رہتی چنانچہ آپ حسب موقع حسب مصلحت طلباء عزیز کو اپنے گرانقدر مشوروں سے نواز کر دارین کی خوبیوں سے مالا مال کر دیا جاتے تھے

حضرت مولٰنا صدیق حسن صاحب بلند شہری نے بتایا کہ جس زمانہ میں حضرت مدرسہ شاہی مرادآباد میں درس دیتے تھے

میں بھی اس زمانہ میں وہیں ان سے شرف تلمذ حاصل کرر ہا تھا ایک دن مغرب کی نماز کے بعد ہم چند طالب علم حضرت کی خدمت میں پہونچے اور ہاتھ پیر دبانے لگے تھوڑی دیر بعد حضرت فرمانے لگے کہ آپ لوگ میرے شاگرد ہیں اور میں آپ کا استاذ ہوں گویا آپ مجھ سے علم حاصل کر رہے ہیں لیکن دیکھنا یہ ہوگا کہ آپ اور ہم کس ادارہ کی وجہ سے تعلیم و تعلم میں منہمک ہیں یا اصل محسن مدرسہ ہے جو آپ کی تعلیم کی جملہ ضروریات کا تکفل کرتا ہے اس ادارہ کے احسان کا بدلہ آپ لوگ کس شکل میں دیں گے یہ مستقبل میں معلوم ہوگا مگر میرے کہنے سے ایک بات پر عمل ضرور کرنا یہ عمل تمہارے لئے کسی حال میں دشوار نہ ہوگا یہاں سے فارغ ہونے کے بعد جب تم تجارت یا ملازمت کرو تو کم از کم چار آنہ مہینہ اپنے مدرسہ کے لئے نکالتے رہو سال میں صرف تین روپئے کی مختصر رقم آپ کے مدرسہ میں آپ کی جانب سے پہونچتی رہے یہ عمل صدقۂ جاریہ کے مثل ہوکر فلاح دارین کا سبب بنے گا حضرت مولانا صدیق حسن صاحب فرما رہے تھے کہ میں نے حضرت کی اس نصیحت کو اپنے پلے سے باندھ لیا اور اب تک میں مدرسہ شاہی کو کم از کم اتنی رقم ضرور روانہ کردیتا ہوں

ملفوظات فخر الاسلام

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

یہاں سے حضرت فخر الاسلام کے ارشادات گرامی پر خامہ فرسائی کا آغاز کیا جا رہا ہے ناظرین حیرت و تعجب میں نہ پڑیں کہ سوانح سے فرمودات کو کیا مناسبت ہے کیونکہ فرمودات کا سلسلہ سوانح کا ایسا مربوط عنصر ہے کہ ایک دوسرے کا انفکاک خارج از عقل و قیاس ہے

قول و عمل کا دلنشیں خاکہ اشتراک کی اعتبار سے اپنے اندر اس قدر جاذبیت اور کشش رکھتا ہے کہ تنہا ایک شطر اس درجہ مقنا طیسیت پر پہونچنے سے قاصر رہ جاتا ہے اگر تجربات و مشاہدات کی دنیا میں اس پر غور و خوض کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جس طرح ظرف سے اسی شئے کا خروج ممکن ہے جو اس کے اندر سمائی ہوتی ہے پھول وہی خوشبو نکالتا ہے جو اس کے باطن میں اجزائے تخمی و ترابی کے اشتراک نے پیوست کردی ہے شمع اسی نوعیت کی نور افشانی کرے گی جس نوعیت کے

اجزا اس کے عناصر باطنی میں کار فرما ہیں اسی طرح ہر شخص کا مقال وہ ہوگا جو اس کے حال سے کلی یا جزوی طور پر تعلق اور تطابق رکھتا ہو اس کے مقولات اس کی باطنی کیفیات قلبی احساسات اور ذہنی ادراکات کی عکاسی پیش کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ عقلِ سلیم رکھنے والے ارباب فکر کلام دیکھ کر صاحب کلام کی ذہنیت اور اس کی صلاحیت کا اندازہ کر لیتے ہیں

حضرت فخر الاسلام کی گوناگوں خصوصیات کا اندازہ بھی پورے طور پر اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ آپ کے چند ارشادات صفحۂ قرطاس پر لائے جائیں اور ان پر مطلع ہونے والا نہ صرف یہ کہ اپنی معلومات میں اضافہ کر سکتا ہے بلکہ ارشادات کی مختلف النوع رنگینیوں سے بھی عجیب طرح کا کیف و سرور اور ایمانی تازگی اور شگفتگی حاصل کرنے کے اسباب فراہم کر سکتا ہے

فخر الاسلام کی شخصیت چونکہ ہمہ گیر صلاحیتوں کی مالک ہے اس لئے ملفوظات میں بھی ہمہ گیریت کی جھلک پائی جاتی ہے آپ کے ملفوظات کا سلسلہ لامحدود اور لامتناہی ہے ان کو دائرہ تحریر میں لانا امر شاق کا درجہ رکھتا ہے اس لئے آپ کے ہر نوعیت کے ارشادات ان صفحات میں بھی بیان نہیں کئے جا سکتے بطور نمونہ کے طور پر چند ارشادات کی جھلک پیش کی جا رہی ہے جس سے ناظرین پر چند علمی دینی تاریخی اور سیاسی پہلو بھی روشن ہو جانے کا امکان ہے

علمی جواہر پارے

یوں تو عام طلباء و منتعلقین تہ درس بخاری میں شرکت کر کے حضرت فخر الاسلامؒ سے علمی استفادہ کیا کرتے تھے لیکن باذوق طلباء بعد العصر بھی آپ کی مجلس میں علمی نوادرات اور انمول موتی سمیٹنے کے لئے شریک ہوتے تھے اس مجلس میں طلباء کے علاوہ عام افراد کو بھی شرکت کی اجازت تھی اساتذۂ دار العلوم بھی گاہے گاہے اپنی آمد سے نوازتے تھے

اس مجلس کا مقصد علمی استفسارات اور ان کے جواب پر مشتمل ہوتا تھا طلباء نہ صرف درسِ حدیث سے متعلق سوالات کرتے تھے بلکہ مختلف علوم و فنون کے دقائق و حقائق پر مطلع ہونا اور ان سے متعلق معلومات فراہم کرنا بھی ان کے مقاصد میں داخل تھا حضرت بھی ان کے مقصد سے واقف تھے بنا بریں وہ ہر استفسار کا معقول، تسلی بخش اور مفصل جواب دینے کی کوشش کرتے تھے

اساتذۂ کرام بھی اکثر و بیشتر مختلف قسم کے سوالات کرتے حضرتؒ ان کو بھی اپنے محققانہ اور بصیرت افروز انداز میں جواب دیا کرتے تھے اور ہر جواب کو براہین و حجج سے آراستہ کرنے کے ساتھ اسناد و حوالہ سے بھی مزین فرما دیتے تھے تاکہ مخاطب

کو کامل تسلی اور وافر تشفی ہو جائے حضرت کا یہ امتیازی اندازِ بیان مخاطبین کی نظر میں آپ کی غایت درجہ ذہانت اور بلند پایہ فطانت کو مزید چار چاند لگا دیتا تھا ذیل میں حضرت کے چند ارشادات کو اس مقصد کے تحت پیش کیا جا رہا ہے تاکہ ناظرین کرام کو بھی حضرت کی علمی لیاقت بے پناہ استعداد غیر معمولی صلاحیت اور جمیع علوم و فنون میں مہارت کا بخوبی اندازہ ہو جائے اور ہر مکتبۂ فکر کے افراد قیامت تک حضرت کے ان روحانیت آمیز و لولہ خیز اور احساسات دینیہ سے لبریز جواہر پاروں اور خزف ریزوں سے مستفید اور مستفیض ہوتے رہیں۔

اگرچہ حضرت کی علمی و عملی خدمات ایک لامحدود سمندر کی مانند ہیں جن کا احاطہ ہر کس و ناکس کے لئے امتناع اور محال کا درجہ رکھتا ہے تاہم چند ملفوظات زیر دست صفحات میں قلمبند کئے جا رہے ہیں لیکن یہ ارشادات روایت باالفاظ کے دائرہ سے خارج ہیں بلکہ روایت بالمعانی کی حیثیت رکھتے ہیں البتہ حضرت کا ہر ملفوظ مؤلف کی ترمیم و ترخیم اور ہر قسم کی کمی و بیشی سے محفوظ ہے۔

یک حرف بیش نیست سراسر حدیثِ شوق
ایں طرفہ ترکہ ہیچ بپایاں نمی رسد

جیسا کہ صفحاتِ سابقہ میں عرض کر چکا ہوں کہ میرا دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی کا چار سالہ دور زیادہ تر حضرت فخرالاسلام کی صحبت اور خدمت میں گذرا اور روزانہ بعد العصر ان کی مجلس میں شرکت میرے لئے لابدی اور ضروری تھی میرا معمول تھا کہ دورانِ مجلس اہم اور خصوصی ارشادات کو کاپی پر نوٹ کر لیتا اور صلوٰۃ مغرب سے فراغت پاتے ہی ان اجمالی ملفوظات کو تفصیل کا جامہ پہنا دیتا بعض باتیں جو دائرہ نسیان سے ہم کنار ہو جاتی تھیں ان کے متعلق حضرت کی جانب مراجعت کر کے مزید تحقیق و تفتیش کے دروازہ کو کھٹکھٹاتا تھا تاکہ کوئی غیر مستند بات حضرت کی جانب منسوب نہ ہو سکے اور افادیت و استفادیت کے مابین کوئی رکاوٹ درپیش نہ ہو اس غایت درجہ احتیاط کے ساتھ اس امر کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے کہ ذیل میں وہی ارشادات پیش کئے جائیں جو اساتذہ و تلامذہ کے علاوہ عام پڑھے لکھے طبقہ کے لئے بھی مفید اور کارآمد ہوں اور یہ مختصر سرمایۂ تحریر افاداتِ کثیرہ کا سرچشمہ بن جائے ؎

ایں سخن نیز بہ اندازۂ ادراکِ من است

حیاتِ شہداء کی حیثیت

۱۵ر صفر ۱۳۸۶ھ کو ایک طالب علم نے سوال کیا کہ حضرت جو لوگ اللہ کے راستہ میں شہید ہو جاتے ہیں ان کی کیا حیثیت ہے یہ لوگ کیا انبیاء علیہم السلام پر فوقیت رکھتے ہیں اگر شہداء کو حیات ہے تو انبیاء کرام کے لئے بھی حیات ثابت ہے اور اگر حیات انبیاء اور حیات شہداء ایک ہی نوعیت سے تعلق رکھتی ہے تو پھر انبیاء کا مقام شہداء سے برتر نہ ہوا حالانکہ انبیاء کو تمام مومنین پر برتریت حاصل ہے اس سوال کے بعد حضرت مرحوم نے نہایت بلیغ اور بسیط انداز میں اس موضوع پر تبصرہ فرمایا۔

حیات شہداء عام ہے حیات عامۃ المومنین سے اور حیات انبیاء عام ہے حیات شہداء سے یعنی اس عالم ناپائیدار سے روح جب رحلت کرتی ہے تو بعض اشخاص سے اس کی وابستگی بعد الموت بھی رہتی ہے اور بعض اشخاص سے ان کی روح کا علاقہ سلب کر لیا جاتا ہے

عام مسلمانوں سے روح اس طرح سلب کر لی جاتی ہے کہ پھر وہ ان کے جسم کی جانب عود کرنے سے قاصر ہو جاتی ہے گویا کسی اعتبار سے بھی روح کا تعلق جسم سے نہیں رہتا بلکہ وہ جسم اور مادہ بتدریج گل سڑ کر ہر حصلہ

نسبت میں ہو جاتا ہے البتہ روح کو حیات حاصل ہوتی ہے
اور شہداء کو حیات مع الجسد حاصل ہوتی ہے یعنی جو لوگ
اللہ کے راستہ میں شہید ہوئے اور انھوں نے اعلاء
کلمۃ اللہ کی خاطر اپنی زندگی کو دنیاوی لحاظ سے خیرباد
کہنا پسند کر لیا تو باری تعالیٰ ان پر اپنا انعام واکرام اس
شکل میں جاری کرتا ہے کہ وہ ظاہری موت ان کے لئے
فی الواقع موت کے مرادف نہیں ہوتی بلکہ راہ حق میں
جانثاری اور سینہ سپری کا مظاہرہ کرنے کے باعث
خدائے وحدہ لاشریک ان کو حیات ابدی سے سرفراز
فرما دیتا ہے چنانچہ قرآن میں ارشاد فرمایا گیا وَلَا تَقُوْلُوْا
لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ
لَّا تَشْعُرُوْنَ یعنی تم ان لوگوں کو جو خدا کے راستہ میں جام
شہادت نوش کریں مردہ نہ کہو کیونکہ وہ زندہ ہیں لیکن
ان کی زندگی کس نوعیت سے تعلق رکھتی ہے ان کو زندگی بعد الموت
کیوں نصیب کی گئی اور اس زندگی کے اسرار و رموز کیا ہیں
ان کو تم نہیں سمجھ سکتے اس لئے اس باب میں زیادہ تفتیش
اور چھان بین کی جستجو نہ کرنی چاہیئے تاہم حیات انبیاء
کو شہداء کی زندگی سے ممتاز کرنے کے لئے معلومات کی
تفصیل ضروری ہے

اس آیت سے تو حیات شہداء کا ثبوت ملتا ہے اور احادیث
نبویہ میں بھی اس کی تشریح موجود ہے کہ حیات شہداء

مع الجسد ہوتی ہے لیکن یہ حیات عالم برزخ کے اعتبار سے ہوتی ہے دنیا میں اگرچہ بعض کا جسد بھی محفوظ رہتا ہے لیکن روح کا اس جسد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بعض حالات میں وہ روح اپنے اس جسد اصلی کی جانب بھی عود کر آتی ہے لیکن مستقلاً اس کو قرار نہیں رہتا

حیاتِ انبیاءؑ کی نوعیت

حیات انبیاء کا مفہوم یہ ہے کہ ان کو حیات ابدی حاصل ہوتی ہے اپنے جسم عنصری کے ساتھ شہداء کی طرح ان کی ارواح کا تعلق اجسام عنصریہ سے منقطع نہیں ہوتا بلکہ انھیں اجسام سے ان کی ارواح متعلق اور وابستہ رہتی ہیں اور ان کا جسم عنصری بھی اپنی اصل شکل پر برقرار رہتا ہے

چنانچہ حضرت سعید ابن مسیب کے متعلق روایات میں منقول ہے کہ جب حجاج بن یوسف نے مدینہ پر حملہ کیا تو یہ روضۂ اطہر کے قریب چھپ گئے تھے باقی جملہ اہل مدینہ شہر چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کر چکے تھے حضرت سعید کئی دن تک وہاں محبوس رہے اور اسطرح محبوس رہے کہ لیل و نہار کے ایاب و ذہاب کا بھی ان کو اندازہ نہ ہوا جب حجاج ظالم نے مدینہ کا محاصرہ ختم کیا اور تمام اہل مدینہ لوٹ آئے تو حضرت سعید سے سوال کرنے لگے کہ تم نے اگرچہ بہت ہمت اور دلیری کا مظاہرہ

کیا ہے لیکن یہ تو بتلاؤ کہ نمازیں تم نے کس طرح ادا کیں اوقات صلوٰۃ کا تمہیں کس طرح علم ہوتا تھا حضرت سعیدؓ نے فرمایا کہ میں نے تمام نمازوں کو وقت پر اور باجماعت ادا کیا لوگوں نے حیرت زدہ ہو کر پھر سوال کیا کہ تم یہاں تنہا رہے باجماعت نماز کس طرح ادا کی حضرت سعید نے جواب دیا کہ جیسے ہی وقت صلوٰۃ ہوتا تھا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود اذان پڑھتے تھے اور مجھ سے فرماتے تھے کہ اے سعید تکبیر پڑھو میں تکبیر پڑھ دیتا تھا اور حضور علیہ السلام روضۂ اطہر کے اندر ہی اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھ لیتے اور ان کی قراءت کی آواز رکوع وسجود اور جلسہ وغیرہ کی حرکات کا ادراک میں پورے طریقہ پر کرتا رہتا تھا اور اس طرح ان کی اقتدار میں نماز پڑھ لیتا تھا اس واقعہ سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حیات اور اس کی نوعیت پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے اس کے بعد بہت سے ایسے واقعات رونما ہوئے

ملا جامی جلیل القدر بزرگ گزرے ہیں عربی و فارسی میں ان کی عدیم النظیر تصانیف ہیں اشعار بھی بہت کہہ لیتے تھے ان کے دواوین فارسی زبان میں طرۂ امتیاز شان رکھتے ہیں وہ آخیر عمر میں ہر سال سفر حج کے لئے روانہ ہوتے تھے پھر وہاں سے لوٹ کر اظہار اطمینان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ ایک سال کے لئے میں اپنی زندگی اور موت کی کشمکش سے بے فکر ہو گیا لیکن جب وہ اپنی عمر کے آخری حج سے لوٹے تو فرمانے لگے

کہ اس سال کے اخیر تک میری موت یقیناً آجائے گی لوگوں نے اس معمہ کی بابت سوال کیا تو فرمانے لگے کہ میں ارکان حج سے فراغت پانے کے بعد جب گھر لوٹنے کا ارادہ کرتا تھا تو ایک شب کے لئے روضۂ اقدس پر حاضری دینے کے لئے ٹھہر جاتا تھا تو وقت سحر نبی علیہ السلام مجھے مخاطب کرتے اور فرماتے ؎

بسلامت روی و باز آئی

جس سے میں یہ سمجھ لیتا تھا کہ مجھے دوبارہ زیارت نصیب ہوگی لیکن اس مرتبہ آپ کی زبان مبارک سے ان کلمات کا صدور نہ ہوا بلکہ ایسے کلمات گوش گذار ہوئے جن سے دوبارہ نہ لوٹنے کا ترشح ہو رہا تھا۔

شیخ الاسلام روضۂ اطہر پر

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ ایک مرتبہ جب روضۂ اطہر پر پہونچے تو السلام علیکم یا سیدی کہا فوراً ہی اندر سے آواز آئی وعلیکم السلام یا ولدی اس سلام اور اس کے جواب کو سننے والے سینکڑوں افراد وہاں موجود تھے اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات اس درجہ فوقیت کی حامل ہے کہ آپؐ روضۂ اطہر پہونچنے والوں کو پہچان لیتے ہیں اگر ان کے سلام یا کلام کا جواب بھی دینا چاہیں تو جواب بھی دیتے ہیں مگر یہ شرف ہر

کس و ناکس کو حاصل نہیں ہو سکتا اس کے لئے ضرورت ہے اس بات کی کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے غایت درجہ کا عشق اور تعلق پیدا کیا جائے آپؐ کے اسوۂ حسنہ کو اپنے لئے مشعل راہ بنایا جائے آپ کی ہر سنت کو زندہ وسلامت رکھنے کے لئے پوری جد و جہد کی جائے ریاضت اور محنت و مجاہدے کے مراحل کو طے کیا جائے آپ کی مرضی کے خلاف ہر کام سے انحراف کیا جائے تب جاکر یہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے ان صفات کو پیدا کئے بغیر اگر کوئی شخص چاہے کہ مجھے بھی یہ مقام حاصل ہو جائے تو قطعاً ناممکن اور محال ہے باری تعالیٰ کی رضا اور مشیت کے بغیر ہر چیز عدم امکان اور امتناع کا درجہ رکھتی ہے خدائے تعالیٰ کی مشیت اور رضا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت والفت پر منحصر ہے اگر پیغمبر علیہ السلام سے عشق حقیقی ہے تو باری تعالیٰ کی نظر عنایت کا بھی استحقاق حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ کا مفہوم مرضی اللہ کا انحصار مرضی رسول پر کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس وقت خوش ہوتے ہیں جب کہ بندہ اس کے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے غایت درجہ محبت رکھتا ہو اپنی زندگی کو آپ کے نقش قدم پر گذارنے کا عزم رکھتا ہو آپ کے ہر طریقہ سے الفت آپ کی ہر سنت سے انسیت رکھتا اور عملی طور پر ان تمام خصوصیات کا ثبوت بھی پیش کرتا ہو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس سے بہت گہرا تعلق تھا

آپؐ کی ہر سنت پر عمل کرنا ان کی زندگی کا واحد نصب العین تھا
مدینہ طیبہ میں قیام کے دوران حضرت مدنیؒ روضۂ اطہر پر راتوں
رات پڑے رہتے تھے روضۂ اطہر پر جاکر متعدد قرآن کریم
ختم فرمانے تھے دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ حضرت مدنی
روضۂ اطہر پر گر کر اس طرح مسلسل آہ و بکا کرتے تھے جس
سے اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی عاشق برسہا برس کے بعد اپنے
محبوب کے دیار پر آیا ہے اور اپنے اوپر گذرنے والے مصائب
و آلام کی فہرست رو رو کر سنا رہا ہے کئی مرتبہ خواب میں
آپؐ کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں انتہا درجہ کا تعلق
اس جملہ سے ظاہر ہو جاتا ہے جو سلام کے جواب میں کہا گیا یعنی
و علیکم السلام کے بعد یا ولدی فرمایا ہے

ایں سعادت بزور بازو نیست

تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ایک طالبعلم نے فوراً سوال کیا کہ حضرت خواص کے ساتھ تو حضرت
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معاملہ ہے کہ ان کا سلام
و کلام سن بھی لیتے ہیں اور بسا اوقات جواب بھی دیدیتے
ہیں لیکن عوام کے ساتھ کیا ہے کیا عام زائرین کے سوال کو
حضور علیہ السلام سن لیتے ہیں یا ان کی آواز آپؐ تک پہونچتی
ہی نہیں اس پر حضرت نے جواب دیا۔
عام زائرین کا سلام بھی آپؐ سن لیتے ہیں اور وہ جو کچھ آہ و بکا یا

فریاد کرتے ہیں اس کا بھی ادراک کر لیتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں لیکن جواب صرف صلوٰۃ وسلام کا دیتے ہیں اور وہ بھی سِرًا یعنی آہستگی کے ساتھ یا اگر جہرًا بھی دیتے ہوں تو عام زائرین کی قوتِ سامعہ اس کے سماع سے قاصر اور عاجز رہتی ہے کیونکہ لطافت آمیز کیفیات کا ادراک ہر کس و ناکس کے لئے غیر ممکن ہے۔

حیاتِ انبیاء کی نوعیت کو مزید واضح کرتے ہوئے حضرت فخر الاسلام نے فرمایا

حیاتِ انبیاء اور ازواجِ مطہرات

بعض معاملات میں حیاتِ انبیاء بعد الموت کا بھی وہی حکم ہوتا ہے جو قبل الموت تھا یعنی دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی ان کی وہی حیثیت برقرار رہتی ہے جو ان کو دنیاوی زندگی میں حاصل تھی وہی احکام اور معاملات متعلق رہتے ہیں جو ظاہری زندگی میں ان سے وابستہ تھے مثلاً ازواجِ نبی عدت گذارنے کی مکلف نہیں ہوتیں اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسی عدت عام عورتوں کی ہوتی ہے جس کے پورا کرنے کے بعد وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح کرنے کی مجاز ہو جاتی ہے اس قسم کی عدت ازواج انبیاء کی نہیں ہوتی بلکہ ان کی عدت پوری عمر رہتی ہے وہ اپنا نکاح کسی دوسرے سے کرنے کی مجاز نہیں ہوتیں کیونکہ

ان کا شوہر فی الواقع موت سے ہمکنار نہیں ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ زوجۂ نبی کو نبی کے مال سے اسی طرح ملتا رہے گا جسطرح نبی کی ظاہری زندگی میں ملتا رہا ہے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات کو آپؐ کی وفات کے بعد بھی نفقہ اسی طرح دیا جاتا رہا جس طرح آپ خود دیا کرتے تھے اس سے بھی یہی ثبوت ملتا ہے کہ انبیاء علیٰ ہیئتہ الاولیٰ حیات رہتے ہیں اور عدت یا انقطاع نفقہ بعد الموت متحقق ہوتا ہے اور انبیاء متوفی نہیں ہوتے بنابریں ازواج نبی کے لئے کسی دوسرے سے نکاح کرنا حرام ہے اب ظاہر بات ہے کہ ان کے نفقات کا بندوبست بھی ضروری ہے اسلئے ازواج کے مال سے ان کو برابر دیا جاتا رہے گا بعض لوگ بلا وجہ شبہ کرتے ہیں کہ ازواج مطہرات کا نفقہ بیت المال سے دیا جاتا تھا ایسا ہرگز نہیں تھا بلکہ نبی کریم علیہ السلام کے چھوڑے ہوئے مال یعنی ان باغات وغیرہ میں سے جو ازواج نبی کے لئے مخصوص کر دیئے گئے تھے دیا جاتا تھا خود نبی کریم علیہ السلام اپنے سامنے ان باغات کی آمدنی سے ازواج مطہرات کے نفقات ادا کرتے تھے جو بچتا تھا اس کو مصالح مومنین پر صرف فرما دیتے تھے آپ کے پردہ فرمانے کے بعد اس آمدنی سے نفقات ازواج کی ادائیگی کی جاتی رہی اور بقیہ کو مصالح مومنین پر صرف کیا جاتا رہا۔

ظلم کا اطلاق شرک پر

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ (پ ۷)

ظلم کے معنیٰ شرک کے ہیں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ جمہور مفسرین و ائمہ محدثین نے قرآن کریم اور احادیث نبویؐ میں اکثر بیشتر مقامات پر ظلم کو شرک کے معنیٰ سے تعبیر کیا ہے خود حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام شرک کا اطلاق ظلم پر اور بسا اوقات ظلم کا اطلاق شرک پر کرتے تھے اور یلبسوا ماخوذ ہے ملابست باب مفاعلت سے جس کے معنیٰ اس خلط کے آتے ہیں کہ جس کا افتراق نہ ہو سکے یعنی دو چیزوں کے درمیان ایسا اختلاط پایا جائے کہ ایک شئی کا دوسری شئی سے افتراق یا ایک کا دوسری سے امتیاز نہ کیا جا سکے اور مخلوط و مخلوط بہ کے مابین کا اختلاط حد و ارتباط میں اس درجہ شمار کیا جانے لگے کہ امتیاز و تفاوت شاق اور دشوار ہو جائے

آیت بالا کی یہ تفسیر حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ نے ۱۸/صفر ۱۳۸۶ھ کو درس بخاری کے درمیان فرمائی دورۂ حدیث کے ایک طالب علم نے بعد العصر اس کی مزید تشریح چاہتے ہوئے سوال کیا کہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ علامہ زمخشریؒ کی تحقیق یہ ہے اس جگہ ظلم سے مراد

معاصی ہیں اس مقام پر ظلم کو شرک کے معنیٰ میں لینا انسب نہیں ہے
حضرت فخر الاسلام نے جواب دیتے ہوئے فرمایا
اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہی ہے کیونکہ ایک شئی کو دوسری شئی سے متضاد اور متباین اس وقت قرار دیا جاتا ہے جب ان کے مابین کسی حیثیت کا علاقہ ہو باہمی علاقہ سے قطع نظر کر کے تخالف اور تباین کا اثبات کیا جاتا ہے ان کی جنس ایک ہو یا ان کا ماخذ ایک ہو یا وہ دونوں کسی ایک شئے سے متعلق ہوں چنانچہ ایمان کا تعلق بھی قلب سے ہے اور شرک بھی قلب سے تعلق رکھتا ہے معاصی کا تعلق جوارح سے ہے قلب سے نہیں خداوند قدوس کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے ملابس نہیں کیا یعنی شرک سے ملابس نہیں کیا ان کے لئے امن و سلامتی ہے لہذا ظلم سے مراد شرک ہی لیا جائے گا معاصی کو اس سے مراد نہیں لیا جا سکتا کیونکہ ایمان کا تعلق قلب سے ہے اور قلب سے متعلق ہونے والی شئی کی ملابست بھی ایسی ہی چیز سے کی جا سکتی ہے جس کی وابستگی بالواسطہ یا بلا واسطہ قلب سے ہو جن اشیاء کا جوارح سے تعلق ہو ان کا تلابس ایمان سے نہ ہوگا اور جو چیزیں قلب سے تعلق رکھتی ہیں ان کا جوارح سے کوئی علاقہ نہ ہوگا شرک کا تعلق قلب سے ہے اور معاصی کا صدور جوارح سے ہوتا ہے لہذا عدم مناسبت ہونے کی بنا پر ظلم سے معاصی مراد نہیں لی جا سکتیں بلکہ ظلم کو شرک کے مرادف قرار دیا جائے گا۔

علاوہ بریں دیگر تفاسیر و کتب احادیث میں اس کی تشریح اسی طریقہ پر کی گئی ہے تفسیر ابن کثیر روح البیان بیان القرآن اور روح المعانی وغیرہ میں دیکھو بخاری اور اس کی شروح کا مطالعہ کرو اور غور کرو کہ ظلم سے کیا مراد لیا گیا ہے خود قرآن پاک نے ایک دوسرے مقام پر شرک کو ظلم سے تعبیر کیا ہے چنانچہ فرمایا گیا ؟ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ اور رہا زمخشری کا قول تو یہ معتزلی ہیں معتزلہ کے نزدیک معاصی انسان کو ایمان سے خارج کر دیتی ہیں یعنی اگر کوئی شخص کبیرہ گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے تو ان کے نزدیک ایمان سے خارج ہو جاتا ہے پس معلوم ہوا کہ علامہ زمخشری کے نزدیک تو معاصی ہی شرک ہیں یعنی کبائر کا مرتکب مشرک ہو جاتا ہے بنابریں اگر علامہ زمخشری ظلم سے مراد معاصی لیں تب بھی وہی مفہوم ہوتا ہے جو اہل سنت والجماعت کے نزدیک متحقق ہے فرق صرف اتنا ہے کہ معتزلہ ظلم کو بالواسطہ شرک قرار دیتے ہیں اور ہم بلاواسطہ ظلم کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک معاصی اور شرک ہم وزن نہیں ہیں بلکہ معاصی اور شرک کے مابین بہت زیادہ تفاوت ہے

حافظہ کے اسباب ضعف

ذہن اور حافظہ کمزور نہیں ہوتا بلکہ ہم خود کمزور کرنے کا ذریعہ اور سبب بنتے ہیں اپنی قوت ذہنی اور قوت دماغی

کو زیادہ تر کام میں لانے کی کوشش ہی نہیں کرتے مطالعہ کرنا سبق کے بعد تکرار کرنا یا پڑھے ہوئے سبق کو چلتے پھرتے خیال میں لانا یہ سب کچھ مفقود ہے ورنہ ہونا یہ چاہیئے کہ آپ لوگ سبق سے قبل مطالعہ کریں سبق کے تمام رموز و نکات پر مطلع ہونے کی جد و جہد کریں ہمہ تن گوش ہو کر درس میں استاذ کی تقریر پر غور کریں پھر اپنے سمجھے ہوئے اور استاذ کی باتوں میں مطابقت تلاش کریں جو نکات و حقائق استاذ سے نئے معلوم ہوں ان کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کی جائے سبق کے بعد پھر مطالعہ کیا جائے یا تکرار بھی کر لیا جائے بعد ازیں اپنی نشست و برخاست میں بھی ذہنی طور پر سبق کا اعادہ کیا جاتا رہے اس سبق کو جب بار بار زیر خیال لایا جائے گا تو ابدی اور دائمی طریقہ پر قوتِ حافظہ اس کو یافت کر لے گی اور وہ باتیں کبھی ذہن سے خروج گوارہ نہ کریں گی اور آپ لوگوں کا حال یہ ہے کہ مطالعہ اور تکرار تو درکنار یو میہ درس کو بھی ذہن و خیال میں نہیں لاتے اب کیسے آپ کا ذہن پچھلی باتوں کو یاد رکھ سکتا ہے جب کہ آپ اپنے اسباق کو کسی وقت بھی حاشیۂ خیال میں لانے کی کوشش نہیں کرتے آج آپ حضرات کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ دورانِ درس استاذ کی باتوں کو قلمبند کر لیا جائے خواہ آپ ان مندرجات کو سمجھے ہوں یا نہ سمجھے ہوں بس لکھنا فرضِ عین متصور کر لیا جب کہ میں بارہا کہہ چکا ہوں کہ سبق کو سمجھنے کی کوشش کی جائے

دوران درس لکھنے کا کوئی حاصل نہیں نہ صحیح طور پر سمجھ پاؤگے اور نہ درست طریقے سے لکھ سکوگے لیکن کوئی توجہ نہیں ظاہر بات ہے کہ پوری باتیں محقق و مستند انداز میں سرعت کے ساتھ نہیں لکھی جاسکتیں اسی کی قدرت نہیں رکھنے کی بیشی کے ساتھ لکھ پاتے ہیں کہیں غلطی بھی سرزد ہو جاتی ہے

بعض مقامات پر ضروری باتوں کو بھی نہیں لکھتے اور بعض جگہ کسی ایسی بات کو جو استاذ نے نہیں کہی اس کی جانب غلط طور پر منسوب کر دیتے ہیں (خود فراموشی کند تہمت دیدا ستاذ را) کے تحت ان کی وہ غلط باتیں لوگوں کے لئے استاذ سے بدظنی قائم کرنے کا موجب بن جاتی ہیں

عصر قدیم میں طلباء کا یہ طریق نہ تھا وہ اثناء درس لکھنا اپنے لئے مضر اور نقصان دہ منصور کرتے تھے کیونکہ وہ مطالعہ کو اصل سمجھتے تھے بعض طلباء اگر لکھتے بھی تھے تو سبق سے فارغ ہونے کے بعد دوران درس لکھنے سے وہ کلیتاً احتراز کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے ذہن و حافظے سے بہت دقیق اور عمیق مسائل کو بھی حل کر لیتے تھے حتیٰ کہ اساتذہ کو بھی اپنے بعض تلامذہ کی قوت ذہن و دماغ پر رشک آتا تھا لیکن آج یہ تمام چیزیں عنقا نظر آتی ہیں۔

ذہن کی مثال

ذہن کو ایسا سمجھو کہ جس طرح چاقو ہوتا ہے چاقو سے کاٹنے کا کام لیا جاتا ہے لیکن اگر چاقو سے یہ کام لینا ترک کر دیں تو چند روز بعد ہی اس پر زنگ لگنا شروع ہو جاتا ہے اگر کچھ زیادہ عرصہ اس سے کام نہ لیا جائے تو اس قدر زنگ آلود ہو جائے گا کہ اس کے کاٹنے کی صفت ہی ختم ہو جائے گی اسی طرح انسان اپنے ذہن سے بہت عمیق اور لاینحل مسائل پر عبور پا سکتا ہے لیکن اگر ذہن سے اس کا یہ کام نہ لیا جائے تو آپ کا ذہن کسی شئی کا تصور کسی چیز کا ادراک اور کسی امر کا حصول نہ کر سکے گا اس کی یہ تمام تر صلاحیتیں معدوم ہو جائیں گی ذہن پورے طور پر خراب ہو جائے گا اس لئے ذہن کو ——— کارآمد بنانے کی جانب اپنی توجہات مرکوز کیجئے اگر آپ چند چیزیں ذہن میں محفوظ رکھیں گے تو ان کی مدد سے آپ کا ذہن بہت سی ایسی چیزوں کا ادراک کر لے گا جن سے آپ نابلد اور ناواقف ہیں کیونکہ معلومات کی روشنی میں انسان مجہولات کا حصول کرتا ہے ورنہ مجہولات تک اس کی رسائی یا ان کا حصول اس کے لئے محال اور دشوار ہے لہٰذا معلومات اور معقولات کو ذہن نشین رکھنا انسانی کمال تک پہونچنے کے لئے ناگزیر ہے اس کے بدون کمال انسانی تک رسائی ناممکن ہے

چہ جائیکہ علمی کمالات کے خواب دیکھنے کی کوشش کی جائے یہ ہیں وہ ارشادات جو حضرت فخر الاسلام قدس سرہٗ نے ۲۸ ر صفر ۱۳۸۰ھ کو مولوی عبداللہ صاحب میرٹھی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمائے ان کا استفسار یہ تھا کہ ہمارا حافظہ ہماری قوت ذہنیہ اس درجہ پائیدار اور مضبوط کیوں نہیں ہے جس درجہ علمائے متقدمین قوی الذہن اور راسخ الحافظہ ہوتے تھے ہمارا ذہن اور حافظہ اس قدر ضعیف کیوں ہے اس کے بعد مغرب کی اذان ہوئی اور مجلس برخاست ہوگئی دوسرے دن انھوں نے ہی علم کے کسبی اور وہبی ہونے کے متعلق دریافت کیا کہ علم صرف وہبی ہے یا کسب پر اس کا دار و مدار ہے جس پر حضرت نے اس طرح تفصیل پیش کی۔

علم کسبی ہے یا وہبی

علم کسبی ہے کسب کرنے کے بعد وہبی بھی ہو جاتا ہے لیکن وہبی کے لئے کسب ضروری ہے اگر کسب نہ کیا جائے تو سبحانہ تعالیٰ ہبہ بھی نہیں فرماتے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد (العلم یحصل بعد التعلم) سے مترشح ہو رہا ہے یعنی حصول علم کے لئے جد و جہد ضروری ہے علم بغیر سیکھے ہوئے اور بغیر کسب و محنت کے حاصل نہیں ہوتا جو شخص رضائے الٰہی کے پیش نظر یا مقصود شرعی کی تکمیل کے لئے حصول علم میں سعی و کوشش سے کام لیتا ہے تو

رحمت ایزدی بھی اس کی جانب متوجہ ہوتی ہے اور اس کو وافر علم سے نوازتی ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص بغیر کسب ذخائرِ علمی سے سرفراز ہونا چاہے تو قدرت اس کا تعاون نہیں کرتی علاوہ بریں علم کو محض کسب پر ہی موقوف نہیں کیا جاسکتا بلکہ خدائے تعالیٰ کی جانب سے ملنا بھی شرط ہے اگر انسان صرف کسب پر اعتماد کرکے علمی ارتقاء چاہے تو ناممکن ہے جبتک کہ من جانب اللہ اس کو عطا نہ کیا جائے کیونکہ علم باری تعالیٰ کے انوار میں سے ایک نور ہے ؎

فانّ العلم نور من اللہ
و نور اللہ لا یعطیٰ لعاصی

اور اللہ تعالیٰ اپنے نوروں میں سے کسی ایسے شخص کو ذرہ برابر بھی دینا پسند نہیں فرماتے جو اس کا طالب یا اس کا مستحق نہ ہو اس لئے معلوم ہوا کہ کسب کے لئے بھی وہب ضروری ہے کسب کرنا بندے کا کام ہے اور عطا کرنا خداوند قدوس کی مرضی پر منحصر ہے ورنہ عام طور پر مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ بعض افراد کو کسب کے باوجود علم حاصل نہیں ہوتا یا ہوتا ہے تو کامل اور اتم درجہ کا حاصل نہیں ہوتا ـ جیسا کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے تین لاکھ سے بھی زائد شاگرد تھے مگر علم و فہم اور ذکاوت و فطانت میں کامل اور یکتہ صرف اڑتیس تھے اور ان میں بھی کمال علم و فضل اور عقل و دانش میں جو امتیازی مقام حضرت امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کو حاصل تھا وہ دوسروں کو نہیں تھا ـ

علامہ انور شاہ صاحب کشمیری کی تحقیق

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری فرماتے تھے کہ ہر علم میں مہارت پیدا کرنے کے لئے غایت درجہ کسب اور محنت کی ضرورت ہے جو شخص جس فن میں جس قدر پختگی کا طالب ہو اسی قدر اسکے لئے اس فن میں محنت ضروری ہے فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص مسائل نماز پر عبور کرنا چاہتا ہے تو وہ فتح القدیر شامی، بحرالرائق، اور غنیی کا بالاستیعاب مطالعہ کرے۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ نہ صرف دوسروں کو اس قسم کی نصائح سے نوازتے تھے بلکہ خود عملی طور پر بھی اس کا ثبوت پیش کرتے تھے چنانچہ فرمایا کہ میں فقہ کی پانچسو بڑی بڑی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے رسائل وغیرہ کا تو نہ معلوم کتنا مطالعہ کر چکا ہوں اسی لئے شاہ صاحب کو چلتا پھرتا کتب خانہ کہا جاتا تھا دارالعلوم میں جب بھی کسی قسم کا کوئی مسئلہ آتا اور دیگر اساتذہ اس کو سمجھنے یا اس کا جواب دینے سے قاصر ہو جاتے تو حضرت شاہ صاحب کی جانب ہی رجوع کیا جاتا تھا بعض مسائل میں تو حضرت شیخ الہند بھی شاہ صاحب سے تبادلہ خیال کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ایک مصری عالم دارالعلوم تشریف لائے اور امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کی ایک کتاب سے نقل کردہ چند سطور ان کے پاس تھیں جن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ ان حالات

جس جو اس وقت ہندوستان کو در پیش تھے سود لینا جائز ہے تمام علماء بہت پریشان ہوئے آخر کیا جواب دیا جائے حضرت شیخ الہندؒ عصر کی نماز کے بعد نو درہ سے اٹھکر اوپر ان کے کمرے تشریف لے گئے شاہ صاحبؒ کا کمرہ اس وقت وہ تھا جہاں اب مولانا حبیب الرحمان صاحب کیرانوی کی درسگاہ ہے شاہ صاحب نے ان سطور پر نظر ڈالتے ہی کہا کہ یہ عبارت فلاں کتاب کی ہے لیکن اس کے سیاق و سباق کو حذف کر دیا گیا ہے ڈیڑھ سطر اس عبارت کے اوپر ہے اور تین سطریں اس سے نیچے ہیں ان سب کو ملاکر تب اسکا جو مفہوم نکلتا ہے وہ آج کے ہندوستان پر صادق نہیں آتا شیخ الہند نے تعجب سے سوال کیا کہ کیا وہ کتاب دارالعلوم کے کتب خانہ میں موجود ہے شاہ صاحبؒ نے جواب دیا کہ جی ہاں موجود ہے میں نے اس کتاب کا آج سے ستائیس ۲۷ سال قبل مطالعہ کیا تھا چنانچہ جب اس کتاب کو منگا کر دیکھا گیا تو بعینہ اس میں وہی عبارت درج تھی جس کی نشاندہی شاہ صاحبؒ پہلے فرما چکے تھے اس قسم کے اور بھی سینکڑوں واقعات ہیں یہی وجہ تھی کہ جب حضرت شاہ صاحب کے سامنے وہ حالات آئے جن کے تحت انھیں دارالعلوم کی مقدس سرزمین کو خیرباد کہنا پڑا تو اس وقت دارالعلوم کے ایک متبحر عالم نے کہا تھا کہ شاہ صاحب ڈابھیل کے لئے روانہ ہو رہے ہیں ان کے لئے مناسب اور بہتر جگہ مل ہی گئی اور دارالعلوم نے بھی فوری طور پر مدرسین

کا انتظام کر لیا لیکن آج دار العلوم کا ذرہ ذرہ ان کے فراق میں
محو ہو گیا ہے کہ اب ایسا علمی بحر ذخار دار العلوم کو نصیب نہ ہو سکے
گا یہ سب کچھ کیوں تھا صرف اس لئے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی
زندگی کو تعلیم و تعلم کے لئے وقف کر دیا تھا انھوں نے اپنی
تمام تر صلاحیتوں کو علمی خدمات کے سپرد کر دیا تھا ان کی زندگی
کا ہر لمحہ علمی کمال اور ارتقاء کے لئے جد وجہد میں مصروف رہتا تھا
جب باری تعالیٰ نے ان کا اس قدر کسب دیکھا تو اپنی جانب سے
ان کو علمی دولت دیکر مالا مال فرما دیا ان کے سینہ میں علمی
خزانے کھول دیئے اور بغیر ریاضت و مجاہدہ کے ان کو
روحانی کمالات سے بھی بہرہ ور فرما دیا اس کے بعد شیخ
نے فرمایا۔

امام المنطق اور ماہر معقولات بننا تو آسان ہے لیکن علم
تفسیر و حدیث اور فقہ میں مہارت پیدا کرنا بہت مشکل ہے
کیونکہ منطق اور فلسفہ کے مسائل تو بہت محدود ہیں ان کا ذہن نشین
کر لینا کوئی مشکل امر نہیں جو قطبی میں ہے وہی تقریباً سلم میں
موجود ہے اور جو کچھ سلم میں ہے وہی ملا حسن، ملا مبین، حمد اللہ
اور ملا جلال وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔

لیکن حدیث اور اس سے مستنبط ہونے والے فنون لا محدود ہیں
فقہ ہی کو لیجئے فقہ میں لا تعد ولا تحصی مسائل ہیں صرف
امام محمدؒ کی چار کتابوں زیادات اور مبسوط وغیرہ میں
تیرہ ۱۳ لاکھ چھیاسی ۸۶ ہزار مسائل ہیں آپ اسی سے اندازہ

لگا لیجئے کہ علم حدیث اور فقہ کا سمندر کس قدر وسیع اور غیر محدود ہے

اس کے بعد شیخ نے اپنا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جس سال میں دورۂ حدیث میں داخل تھا اس سال میں نے عینی کا بالاستیعاب پانچ مرتبہ مطالعہ کیا ہے ایک روز میں دارالعلوم کے کتب خانہ میں محو مطالعہ تھا حضرت شاہ صاحبؒ کا وہاں سے گذر ہوا سوال کیا کہ فخرالدین کس کتاب کا مطالعہ کر رہے ہو میں نے جواب دیا کہ عینی دیکھ رہا ہوں فرمانے لگے کہ کتنے صفحات کا روز مطالعہ کر لیتے ہو میں نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا بچاس ساٹھ صفحہ روزانہ دیکھ لیتا ہوں مسکرا کر فرمانے لگے بس اتنا ہی یہ تو بہت کم ہے تم جیسے ذہین وفطین طالبعلم کو کم از کم تین سو چار سو صفحہ روز کا مطالعہ کرنا چاہیئے اگر تمہاری اس وقت اتنے کم مطالعہ کی عادت رہی تو جب تم ہمارے مقام پر آؤ گے تو کتنا مطالعہ کر سکو گے میں ان کے یہ الفاظ سنکر حیران و ششدر رہ گیا اور شاہ صاحب مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

اسوقت میرے حاشیۂ خیال میں بھی یہ نہ آسکتا تھا کہ کبھی مجھ جیسے ناکارہ کو ان کے مسند پر بیٹھنا پڑے گا آج جب خیال آتا ہے تو سوچنے لگتا ہوں کہ خداوند کریم اپنے محبوب بندوں کے دل میں ان باتوں کا القاء فرما دیتے ہیں جن کا ظہور بچاس ساٹھ سال کے بعد ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ انھیں بزرگوں کی دعاؤں کا ثمرہ ہے جو مجھ جیسے نااہل کو خدمت حدیث سے شرف حاصل کرنے کا موقع میسّر آگیا۔

حضرت اسمٰعیل شہیدؒ کی علمی حیثیت

فوراً ہی ایک طالب علم نے سوال کیا کہ علم جب ایسا سمندر ہے کہ جس کی وسعت اور حدود کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا اور حصول علم بحیثیت انسان اور بحیثیت مسلمان انتہائی ضروری ہے تو حضرت شاہ صاحب نے حضرت اسمٰعیل شہیدؒ کو تحصیل علم سے کیوں منع فرمایا جس کا جواب حضرت نے اس طرح دیا۔ شاہ صاحب نے حضرت اسمٰعیل علیہ الرحمتہ کو علم حاصل کرنے سے نہیں روکا تھا بلکہ ان کو دوسری چیز کی جانب توجہ دلائی تھی جہاں تک علم کا تعلق ہے حضرت اسمٰعیل شہیدؒ جمیع علوم و فنون بالخصوص فن تفسیر میں مہارت حاصل کر چکے تھے خاندان ولی اللٰہی سے ان کا تعلق تھا جس طرح ان کے جد امجد حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے حصول علم کے بعد بے شمار علمی خدمات کیں تقریر و وعظ کے ذریعہ بھی تصنیف و تالیف کے اعتبار سے بھی بالخصوص قرآن کریم کی تفسیر نہایت فصیح اور بلیغ انداز سے کی اس وقت تک قرآن کریم کی تفاسیر اگرچہ عربی زبان میں تو بہت زیادہ لکھی جا چکی تھیں لیکن غیر عربی میں کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی تھی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے فارسی زبان میں تفسیر لکھی غیر عربی میں مفسر اول شاہ ولی اللہ صاحبؒ کو قرار دیا جاتا ہے

حضرت شاہ عبدالعزیز جو ان کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے ان کی علمی خدمات بھی بہت زیادہ ہیں خاص طور پر علم تفسیر وحدیث میں ان کی معرکۃ الآراء تصانیف ہیں اسی طرح ان کے دوسرے صاحبزادے شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے متعدد کتابیں لکھیں تفسیر موضح القرآن قدیم اردو زبان میں لکھی جس کے متعلق علماء کی رائے یہ ہے کہ اس کا ترجمہ الہامی ترجمہ تھا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ جنھوں نے قرآن کریم کی تسلی بخش تشریح آیتوں کا باہمی ربط اور شان نزول وغیرہ پر مشتمل انتہائی جامع اور مانع تفسیر مرتب کی اور اس کا نام اپنے مرشد مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمۃ کی جانب نسبت کرتے ہوئے تفسیر مظہری رکھا وہ بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے حضرت اسماعیل شہیدؒ جب اپنے ان خاندانی افراد پر نگاہ ڈالتے تھے تو ان کو بھی علوم قرآنیہ کی تبلیغ و اشاعت کا شوق پیدا ہوتا تھا بنا بریں انھوں نے حضرت شاہ صاحبؒ سے خواہش ظاہر کی کہ اگر آپ کا مشورہ ہو تو میں بھی مختلف علوم و فنون پر مشتمل کتابیں لکھنا شروع کر دوں لیکن شاہ صاحب نے انکار فرمادیا اور کہا کہ تم اس میدان میں نہ آؤ تمہیں تو خداوند قدوس نے دوسرے مقصد کے لئے پیدا کیا ہے تم دوسرے میدان کے شہسوار بنو گے حضرت اسمٰعیل شہیدؒ اشارہ پا گئے اور اس کے بعد سے انھوں نے جہاد کے لئے ذاتی طور پر تیاریاں شروع کر دیں۔

حضرت اسمٰعیل شہید کا ذوق جہاد

دہلی کی شاہجہانی مسجد کے تپتے ہوئے صحن پر بوقت دوپہر شدید گرمی کے زمانہ میں کئی کئی گھنٹے ننگے پیر چلتے تھے کبھی کبھی آبلہ پا بھی ہو جاتے تھے لوگ سوال کرتے تھے کہ حضرت آپ بلا وجہ بغیر کسی مقصد اور غرض کے اتنی مشقت کا عمل کیوں کرتے ہیں اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت فرماتے تھے کہ نہ معلوم کب جہاد کرنے کا موقع آجائے اور ہم آرام طلبی کی بنا پر جہاد نہ کرسکیں اس لئے میں اس مشقت کے عمل کو روزانہ کرتا ہوں اسی طرح جمنا میں روزانہ تیراکی کی مشق کرتے تھے تاکہ اگر جہاد میں کہیں تیرنے کی نوبت آجائے تو اس میں بھی پیچھے نہ رہوں روزانہ کئی کئی میل دوڑتے تھے اور اپنے تمام ساتھیوں کو دوڑنے میں پیچھے چھوڑ دیتے تھے یہ محض جہاد کے لئے تیاری تھی دوسرے لوگوں کو بھی جہاد کی ترغیب دیتے تھے اور خود بھی حق تعالیٰ سبحانہٗ سے دعا کیا کرتے تھے کہ باطل کو مٹا اور حق کو بلند کر اہل باطل کو مغلوب اور اہل حق کو غالب فرما۔ دین متین پر ہم کو مر مٹنے کی توفیق عطا فرما اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر ہمیں جان قربان کرنے کا موقع نصیب ہو چنانچہ اُدعُونِی اَستَجِب لَکُم کے تحت حق تعالیٰ سبحانہٗ نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو انتہا بہترین موقع

عنایت فرمایا کہ حکومت اسلامیہ کے قیام کے لئے اللہ کے دین کی حفاظت کے لئے اور کفار کے غلبہ کو ختم کرنے کے لئے انھوں نے راہ حق میں جہاد کیا اور اپنی جمعیت کے ساتھ جام شہادت نوش کر کے اللہ کو پیارے ہو گئے۔

علماء ہند کی قربانیاں
اور ہندوستانی مسلمان

ہندوستان کے علماء نے مسلمانوں کو شاہراہ ارتقاء پر گامزن کرنے کے لئے عظیم قربانیاں دی ہیں انھوں نے اپنے سکون زندگی کو مسلم قوم کی خاطر ہمیشہ کیلئے عملی طور پر خیرباد کہا اپنی جانوں کو اسلامی مآثر و معابد کی حفاظت کے لئے دین اسلام کا پرچم دنیا کے کونے کونے پر لہرانے کے لئے مسلمانوں کو علمی سماجی تمدنی معاشی اور سیاسی اعتبار سے مضبوط اور مستحکم کرنے کی خاطر قربان کر دیا اور مسلمانوں کے حق پسند طبقہ نے ان کی ہر آواز اور ہر تحریک پر لبیک کہا ان کے شانہ بشانہ رہ کر باطل پرست طاقتوں کا مقابلہ کیا اسلامی تزک و احتشام کو فروغ دینے کے لئے شب و روز برابر کر دیئے

معاندین اسلام اور مخالفین حق کی سرکوبی کے لئے ہمیشہ برسر پیکار رہے کفر و الحاد کے قلعوں کو بری طرح مسمار کیا اور اپنی آزادی کو سلب کرنے والے گروہ کا علماء کرام کی قیادت میں مقابلہ کر کے نام و نشان مٹا دیا پرستار ان باطل کو

اپنے دست و بازو کی قوت سے ہمیشہ کی نیند سلا دیا اور خالص اسلامی شعاعوں کو روشن کرنے کے لئے اپنے تن من کی بازی لگا دی برسر اقتدار طبقہ کے تباہ کن عزائم کو کلمۃ اللہ کی صداؤں سے خاک میں ملا دیا حق پرستی کا علم جہاد بلند کیا اور تخریب کار اور شر پسند گروہ کی فتنہ انگیزیوں اور ہنگامہ آرائیوں کا سد باب کر کے ان کی خونریز۔ اور حق شکن پورشوں کا قلع قمع کر دیا مگر بعض بد نصیب مسلمان ہمیشہ علماء کی تحریکات میں رکاوٹ ڈالتے رہے ان کے مجاہدانہ کارناموں اور ان کی دینی و ملی کوشش و کاوش کو ناکام بنانے کے لئے ان کی راہوں کو خارزار کرتے رہے ان کے کلمات حق کی آواز کو بند کرنے کے لئے ان کی زبان کاٹ ڈالی اعداء کی اجتماعی قوت کے مقابلہ میں چلنے والی تلواروں کو غیر منحرک بنانے کے لئے ان کے دست و بازو توڑ ڈالے نعرۂ تکبیر کی فلک شگاف صداؤں سے گونجنے والے گنبدوں کو منہدم کر دیا ملت اسلامیہ کے مستعد اور فعال طبقہ کے شیرازہ اتحاد کو منتشر کرنے کے لئے اپنی آخری جد و جہد کا استعمال شروع کر دیا

یہی وجہ تھی کہ خداوند قدوس نے ہمیشہ اہل علم کے اس طبقہ کو اپنے ازلی و ابدی الطافات سے سرفراز فرمایا اور اس کے بالمقابل نادان ناعاقبت اندیش اور احسان فراموش عوامی گروہ کو دکھلا دیا کہ ان کے متعین کردہ خطوط خود ان کے لئے مضر اور تباہ کن تھے مگر اس کے باوجود یہ گروہ ہمیشہ کار طفلانہ

سے دریغ نہ کرتے ہوئے اپنی راہوں میں کانٹے بوتا رہا اپنی جڑوں کا خود ہی خون کرنے کے لئے اسباب و آلات کا متلاشی رہا اپنی قابل اعتماد شاخوں کو قطع و برید کرنے کے درپے رہا اپنے گلشن کو خاکستر کر دینے والی بجلیوں کا استقبال کرتے ہوئے خوش آمدید کہنے لگا نغمۂ حق سنانے والے عنادل کا گلا گھونٹنے لگا چمنستان اسلام کو اجاڑنے کے لئے کھلتے ہوئے پھولوں کو مسلنے لگا راہ اعتدال کا خاتمہ کرنے کے لئے شاہراہی نشیب و فراز کو مزید واضح اور نمایاں کرنے کا آلۂ کار بننا اپنے لئے باعث صد رشک و افتخار متصور کرنے لگا جیسا کہ ہندوستان کی تاریخ ان حقائق کو روز روشن کی طرح آشکارا کر دیتی ہے۔

شیخ احمد سرہندی رح کی خدمات

اکبر کے زمانے میں جب کفر والحاد کے بادل ہندوستانی آسمان پر چھا گئے اور شرک و ضلالت کو دین الٰہی کے خوبصورت عنوان سے پیش کیا جانے لگا یہ سلسلہ یہاں تک دراز ہوا کہ دربار جہانگیری میں آداب شاہی بجالانے کے لئے سجدہ ریزی لازمی قرار دیدی گئی جس کے باعث ہر ذی شعور اور عاقبت اندیش فرد یہ محسوس کرنے لگا کہ اگر یہی حالت مائل بارتقاء رہی تو ایک دن ہر حق پسند مستحق دار و رسن ہو جائے گا باطل کو سر بلندی حاصل ہو جائے گی اور ہندوستانی تاریخ

کے سنہرے ورق خاکستر کر دیئے جائیں گے اس المناک واندوہناک حالت میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے مسلمانوں کو ان کی عظمت رفتہ کی بازیابی کے لئے جھنجھوڑا ان کو یاس وبیم کے دریا سے نکال کر اوج ثریا پر پہونچنے کا احساس دلایا اسلامی اصول وقوانین کو صحیح انداز سے پیش کیا اور ان کو کرب واضطرا کی ہولناکیوں سے نکال کر ان میں احساس برتری پیدا کیا اور مصائب و آلام سے بے پرواہ ہو جانے کی تلقین کی جذبۂ حق پسندی اور عدل گستری کو عام کرنے کے لئے غایت درجہ کوشش وکاوش سے کام لیا اور مسلمانوں کو قعر مذلت وہلاکت سے نجات دلانے کے لئے ہزارہا صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کیں حتیٰ کی باطل پرست طاقت نے ان کو قید و بند کی صعوبت سے بھی ہمکنار کیا لیکن انھوں نے دفور جذبات کا اظہار کرتے ہوئے تلواروں کی چھاؤں میں بھی اپنی حق پرستی سے انحراف قبول نہ کیا بلکہ کلمۂ حق کے فروغ کے لئے اپنی انتھک قربانیاں پیش کیں یہی وجہ ہے کہ مورخین نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی عدیم النظیر اور بے مثال خدمات کو سراہتے ہوئے صاف طور پر اعتراف کیا کہ اگر اس وقت حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کے متبعین کا گروہ اشرار اور شر پسندوں کا مقابلہ نہ کرتا تو تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ہندوستان سے اسلام اور اس کے حقیقی پرستاروں کا جنازہ نکل جاتا۔

انگریز کی آمد پر شاہ ولی اللہ کا اندیشہ

اسی طرح جب حضرت مولانا شاہ ولی اللہؒ کے زمانہ میں ہندوستان میں انگریز کی آمد و رفت کا آغاز ہوا اور انھوں نے اپنے کار و بار کو فروغ دینا شروع کیا تو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس وقت بھی مسلم حکمراں طبقہ کی توجہ اس جانب مبذول کرانے کی کوشش کی اور اندیشہ ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر انگریزوں کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرنا ہے تو اس کے لئے اور بہت سی شکلیں اختیار کی جا سکتی ہیں اگر ان کے کسی احسان یا کسی اقدام کا بہتر ین صلہ دینا ہے تو ان کو کثیر مال و دولت کی شکل میں انعام دیا جا سکتا ہے لیکن یہ شکل جس میں انگریز ہندوستان آنے جانے کا استحقاق رکھیں مضر نقصان دہ اور تباہ کن ثابت ہوگی انگریز کے لئے اذن عام کسی حیثیت سے بھی مفید اور مناسب نہیں ہے مگر افسوس صد افسوس کہ ارباب حکومت ان کے اشارہ کو نہ سمجھ سکے اور ان کی قیمتی رائے سے کوئی نتیجہ اخذ نہ کر سکے نوبت بایں جا رسید کہ عیسائی قوت بتدریج فروغ پانے لگی بعض عیسائیوں نے ہندوستان میں مستقل رہائش اختیار کر لی مسلم تہذیب کو اپنے رنگ میں رنگنے کی کوشش کرنے لگے ہندوستان کو مسلمانوں کے لئے مختلف تعلیم گاہیں

قائم کر دیں جن میں عیسائیت کی تعلیم دی جانے لگی آخرت کے نظریہ کو پارہ پارہ کیا جانے لگا دنیاوی زندگی اور اس کے عیش و نشاط کو اصل اور مقصود بالذات قرار دیا جانے لگا مسلمانوں کے دلوں میں دنیا کی محبت اور پیسہ سے عقیدت پیدا کی جانے لگی ان کے قدیم اور روایتی طرز تجارت کو غیر مفید اور لاحاصل ثابت کر کے مکارانہ و دغابازانہ اور فریب کارانہ نظام معیشت رائج کرنے کے لئے پروگرام ترتیب دیا جانے لگا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام
اور شاہ عبد العزیزؒ کا انتباہ

ایک وقت وہ آیا کہ ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا وجود عمل میں آیا تاکہ ہندوستانیوں کے اذہان پر اپنی سلطنت اور قوت کی دھاک بٹھادی جائے اور رفتہ رفتہ ان کے قلوب کو مسخر کر لیا جائے اس کمپنی نے نہ صرف اپنی مصنوعات کو عوام کے سامنے پیش کرنا شروع کیا بلکہ اس کے اثرات و نتائج اور فوائد و ثمرات کی آڑ میں اپنے مذہبی نظریات اور اصول و ضوابط کی تبلیغ بھی شروع کر دی حضرت مولانا شاہ عبد العزیزؒ نے مسلمانوں کی توجہات کو اس کی جانب مرکوز کرانا چاہا اور ان کو غلامی کا احساس دلا کر یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اٹھارویں صدی کا آغاز تمہارے لئے بہت عبرتناک ہے

مستقبل کا زوال و عروج آج کی آزمائش و ابتلاء میں مضمر ہے اگر تم نے حالات کی نزاکت کا اندازہ نہ لگایا تو ایک دن وہ آئے گا کہ زمام حکومت تمہارے ہاتھ سے چھین لی جائے گی اور تمہیں عظیم ذلت و مسکنت سے دوچار ہونا پڑے گا جب شاہ صاحب کے یہ کلمات خوابیدہ ضمیروں کو بیدار کرنے کا کام انجام دینے لگے تو ایسٹ انڈیا سے تعلق رکھنے والا طبقہ بہت جز بز ہوا اور اس نے مسلمانوں کو شاہ صاحب سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی اور یہ سمجھایا کہ شاہ صاحب کو برسر اقتدار طبقہ نے کافی رشوت دیکر ہماری مخالفت کرنے کے لئے تیار کیا ہے کیوں کہ علماء اور ارباب اقتدار مسلمانوں کو ترقی پر گامزن دیکھنا نہیں چاہتے ان کا منشاء یہ ہے کہ عوام کو جاہل ان پڑھ اور گمراہ رکھا جائے تاکہ وہ نااہل حکومت کو تسلیم کرتے رہیں اور زندگی کو بہتر بنانے کا شعور ان میں پیدا نہ ہو سکے پھر کیا تھا عوام نادانی کی رو میں بہہ گئے اور علماء سے گریز کرنے لگے حکومت نے جب کمپنی والوں کے عزائم کو مشکوک سمجھ کر ان کو ناقابل اعتبار اور غیر قابل اعتماد منصور کیا اور ان سے اپنی مراعات کا دروازہ بند کرنا چاہا تو انگریز نے سیاست اور چالبازی کے تحت یہ اعلان کیا کہ ہم سب ایک خدا کی مخلوق ہیں اور ملک ہمارے بادشاہ کا ہے اور نافذ رائج ہونے والا حکم کمپنی بہادر کا ہے یہ نعرے سن کر ارباب اقتدار بھی مطمئن اور یہ خاموش ہو گئے

اور کمپنی پر عائد کردہ پابندیاں بھی ختم کر دیں جس کے نتیجہ
میں انگریز پھر خفیہ سازشیں چلنے لگا اور اس نے اس کمپنی
کی مدد سے رفتہ رفتہ تمام ملک پر حکومت شروع کر دی
تمام ملک میں اپنی مصنوعات پھیلا دیں پورے ملک میں
اپنی کمپنی کے سکے رائج کر دئے اور ملک کی درآمد و برآمد
میں خود دخیل ہونے لگا حضرت مولانا عبد العزیز صاحبؒ
نے پھر قوم کے سامنے انگریز کے مکر و فریب اور اس کی
دغا بازی و زمانہ سازی کو طشت از بام کیا اور سنگین اور
غیر مطمئن حالات سے آگاہ کیا مگر قوم نے ان کی آواز
پر لبیک کہنے کے بجائے ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیں
اور ان کو اس قسم کے بیان دینے سے باز رہنے کی تاکید
کی پھر تھوڑے ہی عرصہ بعد قوم نے اندازہ کر لیا کہ حضرت شاہ
صاحبؒ نے جو نشاندہیاں کی تھیں وہ سب صادق آرہی
ہیں مگر پھر کیا تھا اور بیچارے کر بھی کیا سکتے تھے جنگ پلاسی ۱۷۵۷ء
کے بعد سے حالات مزید نازک رخ اختیار کر چکے تھے بالفاظ دیگر
ہندوستان کی حکومت اس کمپنی کے تحت آنی شروع ہو گئی تھی
اور ملک کے رؤسا اور امراء بھی اس کمپنی کے دست نگر ہو چکے
تھے علماء حق کے مزید توجہ دلانے کے بعد ارباب حکومت بھی
اس کمپنی کی سازشوں اور اسکیموں سے باخبر ہو چکے تھے لیکن انگریز
کے بڑھتے ہوئے اقتدار کے سامنے ان کے حوصلے پست ہو گئے
وہ اپنی جرأت اور ہمت کو خیر باد کہنے لگے۔

انقلاب ۱۸۵۷ء میں علمائے کرام کے کارنامے

تعطل و انجماد خوف و دہشت اور بزدلی ان کا شعار بن گئی یہاں تک کہ آخری شہنشاہ بہادر شاہ ظفر مرحوم کا اقتدار بھی برائے نام رہ گیا ملک کے اکثر صوبے اس کے ہاتھ سے نکل گئے اور ایک وقت وہ آیا کہ اس کی حکومت صرف لال قلعہ سے پالم تک رہ گئی لیکن انگریز کے نعرۂ ھل من مزید میں پھر بھی کوئی کمی واقع نہ ہوئی اور وہ ظفر شاہ کی اس محدود حکومت کو چھیننے کے بھی درپے ہو گیا اس کے لئے انگریز نے پھر فتنہ و سازش کا دروازہ کھولا دوسری طرف علماء ہند کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا ان کی اصلاح و امن کی تمام کوششیں رائیگاں جا رہی تھیں بالآخر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے علماء کی ایک جمعیت کے ساتھ نعرۂ جہاد بلند کیا اور انگریز کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے ملک کے چپہ چپہ میں کشت و خون کی لہر دوڑا دی شاملی کے قلعہ پر حملہ کرنے کے لئے خود میدان جنگ میں تشریف لے گئے اس موقع پر سینکڑوں انگریزی سپہ سالار خوف و دہشت کا شکار ہو کر ملک چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اس معرکۂ جہاد میں سینکڑوں علماء نے جام شہادت نوش کیا حضرت حافظ ضامن کو بھی اسی موقع پر شہید کیا گیا علمائے کرام کی اس عدیم المثال شجاعت و دلیری اور جانبازی سے متاثر ہو کر ہندوستانی

افواج نے جو اس وقت انگریز کی محکوم تھی علم بغاوت بلند کر دیا اور ہر طرف انگریز کے خلاف جنگ شروع کر دی گئی ان حالات سے نمٹنے کے لئے برطانیہ نے اپنی پوری فوجی طاقت ہندوستان کے لئے روانہ کر دی برطانوی فوج نے دہلی کا ہر طرف سے محاصرہ کر لیا اور مغل سلطنت کا آخری چراغ بھی اپنی سفاکیت اور صیہونیت سے گل کر دیا ظفر شاہ مرحوم کو گرفتار کر لیا اور ان کے فرزندوں کو تہہ تیغ کر دیا اس موقع پر لاکھوں فرزندان توحید کو پھانسی دی گئی اور پچاس ہزار سے متجاوز علماء نے جام شہادت نوش کیا علماء سے انتقامی جذبہ اس درجہ فور کئے ہوئے تھا کہ کمانڈروں نے فوج کو حکم دیتے ہوئے کہا تھا کہ جہاں بھی علماء یا ان سے مشابہت رکھنے والے مسلمان ملیں فوراً ان کو قتل کر دیا جائے بعض کمزور دل مسلمانوں نے تو اس وقت اپنی داڑھیاں تک کٹا دی تھیں اس وحشت ناک ظلم و بربریت کا مظاہرہ کئی ماہ تک مسلسل جاری رہا دہلی کے لال قلعہ پر اسلامی پرچم کی جگہ یونین جیک لہرا دیا گیا سبز رنگ کا قومی نشان صلیبی نشان سے تبدیل ہو گیا اور ایک ایک ہر اس فرد کو موت کے گھاٹ اتارا جا رہا تھا جس نے تحریک حریت میں کسی بھی حیثیت سے شرکت کی تھی بلبلان گلشن آزادی کو قفس و دام کی سختیوں سے ہمکنار کیا جا رہا تھا مسلم بستیوں کو ویران اور مسلم آبادیوں کو تہس نہس کیا جا رہا تھا اس کشت و خون کا سلسلہ مسلسل تیرہ سال تک دراز ہوتا گیا۔

علماء ہند کی دور اندیشی اور دارالعلوم دیوبند کا قیام

علماء ہند کی جمعیت نے ان ناگفتہ بہ اور غیر مطمئن حالات کے نشیب و فراز کا جائزہ لیکر مسلم قوم کے منتشر شیرازہ کو یکجا کرنے کی سعی کی اور انگریزی تہذیب اور اس کے تباہ کن اثرات کا ازالہ کرنے کے لئے ایک ایسے ادارہ کی داغ بیل ڈالی جہاں مسلمانوں کو تعلیمی تبلیغی اصلاحی و معاشرتی اور سیاسی ارتقاء پر گامزن کرنے کے لئے پروگرام تیار کیا جائے اور ایک لحاظ سے وہ مسلمانان ہند کی اجتماعی قوت کا مرکز اور اس کی چھاؤنی شمار کیا جانے لگے اور اس ادارہ میں نونہالان وطن کو قومی سپہ سالار کی حیثیت سے تیار کیا جائے ان کو دینی قومی اور ملی احساس دلایا جائے قرآن و حدیث کی روشنی میں ملک و ملت کی خدمت کے جذبات پیدا کئے جائیں اور طوق غلامی سے نجات حاصل کرنے کے محرکات ان کے قلب و جگر میں ودیعت کئے جائیں چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ بعد دارالعلوم دیوبند سے آزادی کا صور پھونکا گیا اور دارالعلوم کے سرگنبد سے تحریک حریت کی صدائیں بلند ہونے لگیں اسی وقت شہر سہارنپور میں

ایک ادارہ مظاہر علوم اور شہر مرادآباد میں دوسرا ادارہ قاسم العلوم عرف مدرسہ شاہی کے نام سے قائم کیا تاکہ انگریزی سامراجیت اور عیسائیت کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر طرف ماحول سازگار کیا جائے اور جانباز مجاہد تیار کئے جائیں انگریز نے ان مدارس کے وجود سے خطرہ محسوس کیا اور ان پر پابندیاں عائد کرنے کی کوشش کی مگر جانباز مسلمانوں کے جذبۂ ایمان کو شجاعت اور دلیری سے سرشار پاکر اس کو جرأت و ہمت نہ ہو سکی بنابریں اس نے ایک دوسری راہ سے دارالعلوم پر تسلط قائم کرنے کی سعی و کوشش کی یعنی دارالعلوم کو امدادی پیش کش کی اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ اگر دارالعلوم نے امداد لینا منظور کر لیا تو ہم رفتہ رفتہ اس کو اپنا دست نگر کر کے اس کو اپنے قبضہ میں لے لیں گے لیکن ارباب دارالعلوم عیسائی مکر و فریب سے خوب واقف تھے اسی لئے مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ نے دارالعلوم کے بنیادی دستور العمل میں ایک آئین کے تحت صاف وضاحت کر دی تھی کہ حکومت کا کوئی تعاون دارالعلوم کے لئے قبول نہ کیا جائے اور نہ ہی کسی حیثیت سے گورنمنٹ کے عملی دخل کو دارالعلوم کے لئے جائز قرار دیا جائے چنانچہ علماء نے انگریز کی امدادی پیش کش کو ٹھکرا دیا اور سلسلۂ تحریک آزادی کو دراز سے دراز تر کر دیا انگریز نے ان کو بارہا گرفتار کیا اور بعض علماء کو کالے پانی کی سزائیں بھی دیں

شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کو اور دوسرے علماء کو ایسی تنگ جیلوں میں بند کیا جہاں لیٹنے کی بھی گنجائش نہیں تھی کئی کئی سال جیلوں میں رکھ کر سیکڑوں اذیتیں اور تکلیفیں دیکر ان کو تحریک سے باز رکھنے کی جد و جہد کرتے تھے مگر علماء حق نے کبھی خارزار راہوں کی خلش کا احساس نہیں کیا اور آندھی طوفان کی طرح تمام ملک میں پھیل کر عیسائی تقدیر کے ستارہ کو زیر گردش کر دیا

اپنے آہنی عزائم اور مضبوط ارادوں سے عیسائی اجتماعیت کے تاج و تخت میں لرزش پیدا کر دی اور یقین محکم عزم مصمم اور سعی پیہم سے آراستہ ہو کر ایمانی قوت کے سہارے خرمنِ عیسائیت پر کوہ آتش فشاں بن کر ٹوٹ پڑے ایک وقت وہ آیا کہ سامراجی طاقت کے حوصلے پست ہو گئے ان کے حسین خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے ان کو اپنے زوال کا احساس ہونے لگا اس نے بوکھلا کر اسلامی اداروں کے ارباب انتظام علماء اساتذہ اور طلباء کو گرفتار کر لیا اور اسلامی غیرت و حمیت کے دلدادہ اہل وطن اگر مظاہرے اور ہڑتالوں کی صورت میں مظاہرہ رہائی کرتے نظر آئے تو ان کو بھی کوچۂ دار و رسن پہونچا کر ہمیشہ کی نیند سلا دیا لیکن جب ظلم و ستم کی انتہاء ہو گئی اور انگریز نے اپنے تمام تر حربے استعمال کر لئے تو اس کو مزید ناکامی و نامرادی کا احساس ہو گیا اور اس نے اپنی سفاکیت اور بربریت کی چادر لپیٹ کر مشروط مصالحت کی کوشش

شروع کر دی گئی علماء ملت اور دوسرے ارباب دانش نے اس کو ٹھکرا دیا اور اپنی انتھک کوششوں کا سلسلہ جاری رکھا جس کی وجہ سے انگریز نے یاس و بیم کا شکار ہو کر سکوت اختیار کر لیا اور اس طرح علماء ہند کو اپنی جد و جہد کو فروغ دینے کا مزید موقع میسر آ گیا ۱۹۱۹ء ہی وہ پہلا سال تھا کہ جس میں بے خوف و نڈر ہو کر پر امن ماحول میں تمام انقلابی تحریکات کو بام عروج پر پہونچایا گیا۔

جمعیت علماء ہند کا قیام

اور ایک منظم پروگرام بنایا گیا تاکہ انگریز کے خلاف جو تحریک چلائی جائے وہ منظم ہو اور ہندوستانیوں کی قسمت کا آخری فیصلہ جلد از جلد اجتماعی شکل میں رونما ہو جائے کیونکہ انڈین نیشنل کانگریس اپنے وعدوں سے انحراف کر چکی تھی دوسری طرف ترکی اور عرب ممالک کے درمیان جو خلافت کے تحت ایک رابطہ تھا وہ بھی ٹوٹ پھوٹ کر چکنا چور ہو چکا تھا جس کا اثر ہندوستان کی خلافت کمیٹی پر بھی پڑنا ناگزیر تھا چنانچہ ۲۳ر نومبر ۱۹۱۹ء کو جب خلافت کمیٹی کا اجلاس دہلی میں ہنگامی طور پر منعقد ہوا تو اس میں بہت بزدلی اور کم ہمتی کا مظاہرہ کیا گیا اور انقلاب و جہاد کا ترجمہ حکومت برطانیہ کے سامنے اپنے جائز مطالبات پیش کرنے کی شکل میں کیا گیا جس کی بنا پر عام مسلمان اور بالخصوص علماء

اس سے اظہار بیزاری کرنے پر مجبور ہوگئے اور انھوں نے اپنی ایک الگ جماعت جمعیۃ العلماء کے نام سے قائم کرلی جس کا پہلا اجلاس ۲۸ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو امرتسر میں منعقد کیا گیا اس اجلاس کی صدارت غالباً حضرت مولٰنا عبدالباری صاحب فرنگی محلی نے کی تھی انھیں دنوں کانگریس نے بھی اپنا عظیم اجتماع امرتسر میں پنڈت موتی لال نہرو کی زیر صدارت کیا خلافت کمیٹی نے اپنی قراردادوں کی مزید وضاحت کے لئے مولٰنا شوکت علی مرحوم کی صدارت میں ایک بڑی کانفرنس منعقد کی مسلم لیگ نے بھی حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم کی قیادت میں ایک وسیع پیمانہ پر امرتسر ہی میں اجلاس منعقد کیا لیکن عوام کا رجحان جمعیۃ علماء کی جانب مرکوز ہو چکا تھا اور جمعیۃ کی ہمہ گیر سرگرمیاں لوگوں کے قلوب کو مسخر کرنے کا بڑا ذریعہ بن گئی تھیں عوام کا رجحان اس شدت سے جمعیۃ کی جانب روز افزوں ہوتا جارہا تھا کہ اس کی ہر آواز پر لاکھوں اور کروڑوں برادران وطن لبیک کہنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے

جمعیۃ نے انگریز کو بھرپور شکست دینے کے لئے نومبر ۱۹۲۰ء میں ترک موالات کا فیصلہ صادر کیا اس تحریک کے سلسلہ میں اس نے پانچسو علماء کے فتوے کو شائع کرکے ملک کے کونے کونے میں تقسیم کرایا جس کے نتیجہ میں تحریک ترک موالات بڑے زوردار طریقے سے رائج ہوئی انگریز نے

اس میں رکاوٹ پیدا کرنے کی ہزار ہا کوششیں کیں مگر مجاہدین آزادی نے ان کے ہر منصوبے کو خاک میں ملا دیا اور خوف و ہراس کی لہر کو نہ صرف ہندوستان کی چہار دیواری تک بلکہ برطانیہ کی لامتیل اجتماعی قوت کے حدود سے بھی متجاوز کر دیا جس کے باعث وہ فتویٰ گورنمنٹ نے جبراً ضبط کر لیا اور اس کی تقسیم و اشاعت پر زبردست پابندیاں عائد کر دیں۔

ولایتی مال کا بائیکاٹ

جب اس تحریک میں جمعیۃ علماء کو مجبور محض کر دیا گیا تو اس نے انگریز کی اقتصادیات اور معاشیات کو تباہ کرنے کی خاطر ۱۹۲۱ء کے اواخر میں ولایتی مال کا بائیکاٹ کرنے کے لئے پروگرام مرتب کیا پورے ملک میں اس بائیکاٹ کا رواج اس درجہ فروغ پا گیا کہ اس سے تمام عیسائی مشنریوں اور تاجروں کو زبردست نقصان پہونچا اور انھوں نے پورے طریقہ پر ادراک کر لیا کہ بوریہ نشین علماء کی جماعت تملق چاپلوسی خوشامد اور اظہار وفاداری سے بدرجۂ اتم احتراز و اجتناب کرتی ہے اس کا نصب العین شجاعت استقامت عزیمت حق گوئی و بیباکی ہے اس کا قلب ایثار و قربانی مجاہدانہ عزائم اور سرفروشانہ جذبات سے سرشار ہے جس کی وجہ سے زندگی کے ہر میدان میں کامیابی ان کے لئے یقینی ہے اور ہماری شکست کے آثار بھی روز روشن کی طرح نمایاں ہو رہے

ہیں انھیں ایام میں ہوم رول کا مسئلہ اور کونسلوں میں داخلہ کے سوال پر بھی علما ہند نے پوری سرفروشی اور استقامت کے ساتھ مناسب اقدامات کئے پرنس آف ویلز کا بائیکاٹ اور سائمن کمیشن کا مقاطعہ بھی انھیں دنوں کیا گیا ۱۹۲۶ء کے بعد سول نافرمانی کی تحریک خوب زور شور سے چلائی گئی اور حکومتی انتظامات کو درہم برہم کرنے کے لئے آخری کوششوں سے کام لیا گیا اسی سال جمعیتہ علماء ہند نے نیم آزادی صوبائی خودمختاری نظام داخلی و خارجی کا انقسام اور اس جیسی تمام بشر وطیتیکشوں کو ٹھکرا کر مکمل آزادی حاصل کرنے کا اعلان کیا۔

کمیونل ایوارڈ اور مخلوط انتخابات کے نقطہ نظر اور اس کے ثمرات و نتائج کو بھی عوام کے سامنے کھول کر بیان کیا۔

شدھی سنگھٹن اور دوسرے ارتدادی فتنوں کا سدباب کرنے کی خاطر تحریر و تقریر اور جان و مال کے ذریعہ اسلامیت سوز اور ایمان شکن کاوشوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اسلام کی عظمت رفتہ کو واپس لانے کے لئے ہر قسم کے طریقہ کار اختیار کئے۔

ہندوستان چھوڑو تحریک اور گول میز کانفرنس

ایک وقت وہ آیا کہ ہندوستان چھوڑدو تحریک کا آغاز کیا گیا اور دشمن کے دل کو خائف و ہراساں کرنے کے لئے پورے زور و شور سے اس آواز کو ملک کے کونے کونے تک پہونچایا گیا بالآخر برطانیہ نے گول میز کانفرنس کے انعقاد کے لئے تاریخ کا تعین کر دیا اور تمام جماعتوں کے نمائندوں کو اس کانفرنس میں شرکت کرنے کی دعوت دی علماء نے اس موقعہ پر اندازہ لگا لیا کہ انگریز کی یہ چال ہمارے آہنی ارادوں کو متزلزل کرنے کے لئے وجود میں آئی ہے نیز اس کانفرنس کے نتائج ملک کی تمام جماعتوں میں انتشار پیدا کرنے کا اہم رول ادا کریں گے بنابریں اس نے گول میز کانفرنس میں شرکت کی شدت سے مخالفت شروع کر دی تاکہ ان مہلک اور تباہ کن اثرات سے ملک کے عوام پر کوئی غلط اثر مرتب نہ ہو سکے پھر جب ۱۹۳۱ء کے آغاز میں مخلوط انتخابات کا سوال اٹھایا گیا تو جمعیۃ علماء ہند نے اس کی پرزور طریقہ سے تائید کی اور ملک کی یکجہتی اور سالمیت کو برقرار رکھنے کی خاطر تمام جماعتوں کو اس کے ماننے پر مجبور کیا کیونکہ اس وقت کے نازک حالات کا رخ مخلوط انتخابات کی تائید و توثیق کی جانب مڑ رہا تھا بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کے لئے بھی اس وقت

مخلوط انتخاب ہی مفید اور کارآمد ہو سکتا تھا ۱۹۴۲ء میں جب انگریز کی جانب سے مکمل آزادی کی تشریح طلب کی گئی تو اس وقت جمعیۃ نے آزادی کامل کے تصور کی وضاحت برسر اقتدار طبقے کے سامنے پیش کر دی اس کے چند ماہ بعد ہی ملک کی تقسیم کے شوشے ظاہر ہونے لگے اور ارباب سیاست کے بعض افراد کی جانب سے تقسیم ہند کا مطالبہ زور پکڑنے لگا جمعیۃ علماء نے اس وقت بہت شدت سے اس کی مخالفت کی۔

تقسیم ہند کا متبادل فارمولہ

اور جب اس مطالبہ نے دوسری شکل اختیار کر لی یہاں تک کہ مسلم لیگی برادران وطن کی جانب سے نامناسب اور حزن رنساں حرکات کا صدور ہونے لگا تو جمعیۃ علماء ہند نے نہ صرف اس کی پوری شدت سے مخالفت شروع کی بلکہ اس کے دور رس مضرات کو بھی طشت از بام کرنا شروع کیا اور اس فارمولہ میں صیہونی سازشوں کے چہرے سے نقاب الٹ دیا چنانچہ ۱۹۴۲ء کے اجلاس لاہور میں جو تقسیم ہند کا متبادل فارمولہ پیش کیا گیا تھا اس کی مزید تشریح سہارنپور کے اس اجلاس میں کر دی گئی جو ۱۹۴۵ء میں صرف اسی مقصد کے لئے منعقد کیا گیا تھا اس اجلاس میں صاف طریقہ سے یہ کہا گیا کہ مسلمان تمام ملک کی مکمل آزادی

حاصل کرنے کا عزم رکھتے ہیں وطنی آزادی دراصل تمام مسلمانوں کی آزادی ہے لہٰذا ملک کو کامل آزادی دلانے کے لئے ہمیں اپنے خون کا ایک ایک قطرہ اس راہ میں بہا دینا ہے آزاد ہندوستان میں صوبوں کو کامل خود مختاری دیجائے گی مرکز کو مضبوط اور مستحکم بنایا جائے گا لیکن مرکز کو وہی اختیارات حاصل ہونگے جن کو صوبائی حکومتیں متفقہ طور پر مرکز کے لئے منظور کریں گی دیگر معاملات میں مرکز کا عمل دخل کسی بھی صوبہ میں تسلیم نہ کیا جائے گا مسلمانوں کو ہر جگہ مذہبی سیاسی اور تہذیبی آزادی پورے طور پر حاصل ہوگی صوبوں کے باہمی وفاق میں بھی مسلمانوں کے اُن شرائط کو ملحوظ رکھنا ناگزیر ہوگا تاکہ غیر مسلم اکثریت مسلم اقلیت پر جبر و تعدی نہ کر سکے اور مسلمان اکثریت کے کسی ظلم و اکراہ کا شکار نہ بن سکیں وفاقی نظام اس شکل میں رائج کیا جائے گا کہ مرکزی ایوان میں مسلمانوں کا تناسب ہندوؤں کے برابر ہوگا یعنی ایوان ۴۵ فیصدی ہندوؤں اور ۴۵ فیصدی مسلمانوں پر مشتمل ہوگا دس سیٹیں دوسری اقلیتوں کے لئے مخصوص کر دی جائیں گی لیکن اگر مرکزی ایوان کے کسی بل یا تجویز سے مسلم ارکان کی ۲/۳ اکثریت اتفاق نہ کرے تو اس بل یا تجویز کو پاس نہ کیا جائے گا نیز ایک سپریم کورٹ ہوگا جس میں مسلمان ممبر بھی ہندوؤں کے برابر رہیں گے اس کورٹ کے ججوں یا دیگر ملازمین کا تقرر ممبروں کی وہی تعداد کرے گی جس میں مسلم اور ہندو کا تناسب مساوی ہوگا

بھی کورٹ مرکز اور صوبوں کے تعلقات کو استوار اور برقرار رکھنے کی کوشش کرے گا اور باہمی تنازعات کی صورت میں بھی مرکز اور صوبوں کو اس کورٹ کی جانب رجوع کرنا پڑے گا مرکزی ایوان کی وہ تجاویز جو ⅓ مسلم اکثریت کے اختلاف رائے کی بناء پر نامنظور شدہ ہوں ان کا فیصلہ صادر کرنے کا بھی سپریم کورٹ مکلّف ہو گا غرض اجلاس ۱۹۴۵ء میں تمام مسلمانوں کے سامنے تقسیم کے نقصانات اور اس کے غلط اثرات پیش کر دیئے تھے اور ان کو بتلا دیا گیا تھا کہ تقسیم کے بالمقابل مشترکہ ہندوستان میں ان حقوق کے ساتھ زندگی بسر کرنا ان کے لئے بہتر ہو گا مگر شومئی قسمت سے جو نہ ہونا تھا ہو کر رہا اور اگست ۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم کر دی گئی جس کے نتائج ہر کس و ناکس پر روز روشن کی طرح آشکارا ہیں۔

اس کے بعد شیخ نے اظہار تاسف کرتے ہوئے فرمایا کہ ان حالات سے تم نے بخوبی سمجھ لیا ہو گا کہ علماء ہند کی خدمات ملک و ملت کے لئے کس قدر رہیں ہر دور میں علماء امت اور رہبران ملت نے مسلمانوں کو ہلاکت و تباہی کے غار سے نکالنا چاہا جن لوگوں نے ان کی آواز پر لبیک کہا اور ان کے ساتھ رہ کر شانہ بشانہ کام کیا حق تعالیٰ سبحانہٗ نے ان کو دارین کی ترقی اور سرخروئی سے نوازا اور جن حضرات نے ان کی مخالفت اور بیخ کنی پر کمر باندھی خدائے تعالیٰ نے ان کو دنیا میں ہی ذلیل اور

اور رسوا کرکے دکھلایا تاکہ عام لوگ بھی اس سے عبرت حاصل کریں۔

مندرکرہ بالا معلومات جو علماء ھند اور ان کے مجاہدانہ وسرفروشانہ کارناموں سے متعلق ہیں میرے ان سوالوں کا جواب ہیں جو ۲۰ر جمادی الاولیٰ ۸۸ھ اور ۵ر رجب ۸۸ھ کے دوران خود میں نے اور میرے بعض رفقاء نے حضرت فخرالاسلامؒ سے کئے تھے حضرت علیہ الرحمۃ نے اگرچہ تاریخ ہند کے ان واقعات کو پورے شرح وبسط اور تفصیل سے بیان کیا تھا مگر راقم الحروف نے ان کو اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے تاکہ مسلمان اپنے اکابر کے ان مختصر حالاتِ زندگی کو مشعل راہ بناکر اپنی زندگی میں بھی وہی انقلاب اور جوش وولولہ پیدا کرنے کی سعی کریں جو ان کے اسلاف ان کے لئے ورثہ میں چھوڑ گئے ہیں۔

دو قومی نظریہ کی حقیقت

صفر ۸۹ھ کے پہلے ہفتہ میں ایک دن میرے ایک ساتھی مولوی اخلاق احمد صاحب نے دو قومی نظریہ سے متعلق چند سوالات کئے جن کا حاصل یہ تھا کہ حضرت شیخ الاسلامؒ نور اللہ مرقدہٗ نے ملت کو وطن سے تعبیر کیا ہے حالانکہ ملت کا تعلق مذہب سے ہے احادیث نبوی میں بھی ملۃ ابیکم ابراھیم جیسے الفاظ سے یہی مترشح ہوتا ہے۔ جس کے جواب میں

حضرت مرحوم نے دو قومی نظریہ کی حقیقت اس طرح آشکارا کی۔ حضرت شیخ الاسلام نے اپنی تقریر میں یہ ہرگز نہیں کہا کہ ملت کا تعلق وطن سے ہے یا ملت وطن سے بنتی ہے یہ محض افتراء اور بہتان ہے مولانا نے تو اپنی تقریر میں یوں فرمایا تھا کہ آجکل قومیں اوطان سے وجود میں آتی ہیں یعنی قوم کی ترقی اور فلاح وبہبودی کا دارومدار وطن کی فلاح و بہبودی پر ہے وطن کو چار چاند لگانے سے ہی اقوام عروج پر پہونچتی ہیں اقبال کو یہ مغالطہ ہوا یا انھوں نے جان بوجھ کر حضرت علیہ الرحمتہ کی جانب یہ غلط بات منسوب کی کیونکہ قوم اور ملت کے درمیان تو زمین و آسمان کا فرق ہے قوم کا تعلق دوسری چیز سے ہے اور ملت دوسری شئی سے متعلق ہے ایک ملک میں رہنے والے افراد کو آج کی اصطلاح میں قوم کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی وہ افراد جو ایک وطن سے تعلق رکھتے ہوں ایک حکومت کے تحت رہتے ہوں اور ایک نظام کے تحت چلتے ہوں ان کے مجموعہ کو قوم کہتے ہیں خواہ وہ افراد نسلی، لسانی، مذہبی اور تہذیبی اعتبار سے مختلف ہوں لیکن وطن سلطنت اور اس کے نظام سے اتفاق رکھتے ہوں اور ملت ان افراد کے مجموعہ کا نام ہے جو دین مذہب طرز معاشرت اور تہذیب کے اعتبار سے متحد ہوں خواہ ان کی زبان ان کی نسل اور ان کا وطن کچھ بھی ہو حضرت شیخ الاسلام نے بھی اس امر کی تشریح کی تھی اور برادران

وطن کو جدوجہد آزادی کے لئے متحد اور متفق کرنے کی خاطر اس پر زور دیا تھا اور سمجھایا تھا کہ اس ملک کا ہر باشندہ ہندستانی ہے اسے ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے تمام تعصبات سے بالاتر ہو کر بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیئے اس موقعہ پر اپنے نسلی لسانی اور مذہبی اختلافات کو بالائے طاق رکھکر ہر باشندہ دوسرے باشندے کے شانہ بشانہ رہ کر وطن کی آزادی کے لئے غیر ملکی طاقت سے جنگ کرے اور دشمن کے ناپاک قدم ہندوستان کی سرزمین میں نہ بڑھنے دے اس وقت بعض مسلمانوں کو یہ احساس رات دن ستا رہا تھا کہ اگر ہم انگریز کے خلاف لڑائی کرکے انگریز کو ہندوستان سے نکال دیں گے تو ملک کی غیر مسلم اکثریت ہم پر اپنا ناجائز تسلط قائم کرلے گی اور ہم اس وقت سے بھی زیادہ بدتر حالت میں منتقل ہو جائیں گے حضرت مدنی علیہ الرحمتہ نے ان حالات کا جائزہ لیکر اس احساس کو ختم کرنے کی سعی کی اور قوم کو بتلا دیا کہ اندرونی معاملات سے زیادہ خطرناک اور تباہ کن خارجی قوت ہے اس قوت کو نیست و نابود کرنا ہمارا اولین فرض ہے لہذا اس معاملہ میں ہندوستان کی تمام اقوام کو متحد ہو جانا چاہیئے مسلمان ہندو سکھ اور عیسائی سب کو غیر ملکی سامراجیت اور تشدد کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔

مسلمانوں کا زہریلا احساس

دوسرا زہریلا تصور یہ عام ہوتا جا رہا تھا کہ مسلمان غیر منقسم ہندوستان کی آزادی سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکیں گے چنانچہ مسلم لیگ کی جانب سے یہ مطالبہ دن بدن زور پکڑتا جا رہا تھا اور مسلمانوں کو فرقہ وارانہ رنگ میں رنگنے کی بھرپور کوششیں کام میں لائی جا رہی تھیں لیکن علماء ہند اس تقسیم کے بناء کن نتائج کا احساس کر رہے تھے وہ جانتے تھے کہ تقسیم ہند سے صرف مسلمانوں کو ہی نقصان پہونچ سکتا ہے ہندو اکثریت فائدہ میں رہے گی اور مسلم اقلیت کو چند ٹکڑے ڈال کر پورے ملک کی سلطنت صنعت اور تجارت اس کے ہاتھ میں پہونچ جائے گی اور معنوی اعتبار سے ان حصوں پر بھی اکثریت کا تسلط برقرار رہے گا جو اقلیت کو سپرد کئے جائیں گے جمعیۃ علماء ہند کو یہ اندیشہ بھی ستا رہا تھا کہ اگر تقسیم کا فارمولہ منظور کر لیا گیا تو تبادلۂ آبادی کے وقت لاکھوں برادران وطن کو تہہ تیغ ہونا پڑے گا کروڑوں روپئے کی جائیداد کا نقصان ہوگا بے شمار عورتیں بیوہ اور لاتعداد بچے یتیم ہو جائیں گے بنا بریں ہمارے تمام اکابر اور رہبران ملت تقسیم کے سر تا سر خلاف تھے اور ملک کو متحد اور عوام کو منتشر کہ ہیچ پر

دیکھنا چاہتے تھے اس لئے انھوں نے حب الوطنی پر بہت زور دیا اور قومیت کے اشتراک کو نمایاں کرنا چاہا حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ بھی قوم اور وطن کے عنوان سے مختلف فرقوں کو ایک لڑی میں پرونا چاہتے تھے مگر ناعاقبت اندیشیوں نے جوش کے مقابلہ میں ہوش کو خیر باد کہا۔ سنجیدگی اور بغض و عناد کے مقابلہ میں سنجیدگی سے اپنا دامن چھڑایا اور واویلا مچاتے ہوئے ایک طوفان لا کھڑا کیا جس کے نتیجہ میں ملک تقسیم ہوگیا اور فوراً ہی تقسیم کے اثرات و نتائج بھی ظہور پذیر ہوگئے ملک کے دونوں حصوں میں تباہی اور بربادی کا جو سیلاب آیا اس کی وجہ سے لاکھوں قوم کے ہیرے اس دنیا سے رخصت ہوگئے اور ملک کا ذرہ ذرہ خون آلود بن گیا۔

شیخ الاسلام اور ڈاکٹر اقبال کا اختلاف رائے

ان جملوں کو کہتے وقت حضرت شیخ الاسلام کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور وہ قوم کے ناگفتہ بہ مصائب و آلام کا ذکر کرتے ہوئے بہت ہی کبیدگی اور رنجیدگی کا اظہار فرما رہے تھے آخیر میں آپ نے حالات کے سازگار ہونے کی دعا فرماتے ہوئے سلسلہ کلام ختم کیا دوسرے دن بھی مولوی اخلاق صاحب نے اس موضوع سے متعلق چند

مزید سوالات کئے اور ڈاکٹر اقبال کے ان اشعار کے بارے میں کچھ تفاصیل اور دریافت کیں حضرت فخر الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اقبال کے وہ اشعار خود سنائے اور فرمایا کہ حضرت مدنی کے مقابلہ میں اگرچہ ڈاکٹر اقبال کا کوئی مذہبی یا ملکی مقام نہیں تھا مگر اقبال کے اس اعتراض نے پورے ملک میں کافی شہرت حاصل کی جس کی وجہ سے تخریب پسند عناصر اور فتنہ پرور افراد کو اعتراض اور نکتہ چینی کا مزید موقع مل گیا اور انھوں نے اس کی آڑ میں جمعیۃ علماء کے نظریہ کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا حضرت مولانا مدنی کی جانب سے اس غلط فہمی کا ازالہ پورے طور پر کیا گیا اور ان کی جانب سے تقریر و تحریر اور نظم و نثر غرض ہر طریقہ سے ان کو کافی اور شافی جوابات دیئے گئے

پھر حضرت نے جواب میں کہے گئے اشعار کو بھی بدر در انداز میں سنایا

اعتراض بشکل اشعار از علامہ اقبال علیہ الرحمۃ

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمد عربی است

بمصطفیٰ برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کی جانب سے جواب

دیارِ پاک نہ داند رموزِ دیں ورنہ
ز پاسبان حرم آہ ایں چہ بوالعجبی است
بیا نہ کرد ز دریغا نظام اسلامی
بگو کہ ایں چہ طریقِ محمد عربی است
شدند اہل سیاست ز دین بیگانہ
بجائے شمعِ محمدؐ شعار بولہبی است

ان اشعار کے بعد حضرت مرحوم نے انتہائی پرسوز لہجہ میں فرمایا کہ انھیں اشعار کے مقابلہ سے دوران وہ شعر تمام ابحاث کا نچوڑ ہے جس میں حضرت مدنیؒ کی اتباع اور ان کی تقلید پر زور دیا گیا ہے اور حضرت کی شان اقدس کے رموز و اسرار کو اس طرح آشکارا کیا گیا ہے ؎

بگیر راہِ حسین احمد ار خدا خواہی
کہ نائب است نبی را و ہم ز آلِ نبی است

جہادِ حریت میں اہل میرٹھ کا نمایاں حصہ

جس طرح ہندوستان کے کونے کونے سے حریت کا نعرہ بلند کیا جا رہا تھا اور طوق غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہر صوبہ اور ہر ضلع سرفروشانہ کارنامے انجام دے رہا تھا اسی طرح اہالیان میرٹھ بھی جہاد آزادی میں پیش پیش رہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ تحریک آزادی کا آغاز اور اس کا کامیاب اختتام میرٹھ ہی سے متعلق ہے تو بیجا نہ ہوگا کیونکہ ۱۸۵۷ء کی ابتدا سے ۱۹۴۷ء کے آخری لمحات تک میرٹھ اور اس کے قرب و جوار کا ذرہ ذرہ تلاش حریت کے لئے جدوجہد و جانفشانی تھا میرٹھ ہی کی وہ مقدس سرزمین ہے جہاں سے انگریزی سامراج کے خلاف بغاوت کا سرچشمہ پھوٹا جہاں سے مجاہدین وطن نے پورے ملک کو لرزہ براندام کرنے والا صور پھونکا جہاں کا مشہور گول کھیت جو بخار پور کے نام سے موسوم تھا معرکۂ حق و باطل کی آماجگاہ بنا میرٹھ کا پھانسی گراؤنڈ ہی ظلم و بربریت شرافت سوزی اور انسانیت شکنی کا وہ تاریخی میدان ہے جہاں کے ہرے بھرے درختوں پر ہزار ہا بے گناہ انسانوں کو پھانسی دیکر وہاں کے سبزہ زار کو خوں چکاں نگینوں کے سفاکیت آمیز لالہ زار سے بدل دیا گیا گھنٹہ گھر کے عقبی سمت میں کوٹھی جنت نشاں کے سامنے شارع عام پر سینکڑوں مجبور انسانوں کی قربانی کر کے

اس مقام کو جہنم نشاں بنانے کی ناپاک کوشش کی گئی میرٹھ کے علاقہ فیض گنج سے متصل قدیم جیل خانہ میں مجاہدین آزادی کو اندھا دھند گرفتار کر کے بند کیا گیا جس کو بعد میں ہندوستانی بہادروں نے توڑ کر تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا میرٹھ کی سپاہ نے ہی سب سے پہلے اپنے غیر ملکی افسروں سے بغاوت شروع کی اور ان کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کیا سرکاری عمارتوں دفتروں اور بنگلوں کو آگ لگا کر نذر آتش کرنا شروع کیا فوجی اسپتالوں گوداموں سرکاری و نیم سرکاری بلڈنگوں کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا میرٹھ کے قصبہ شاہجہاں پور کے ایک مجاہد پیر جی الٰہی بخش جو میرٹھ فوج میں ملازم تھے انھوں نے بغاوت کی آگ بھڑکا کر اپنی سرکاری بندوق سے کالی جیل کا تالا توڑ کر سینکڑوں قیدیوں کو رہا ہونے کا موقع فراہم کیا انھوں نے ہی میرٹھ کے کمشنر اور اس کے انگریز ملازموں کو تین دن کوٹھی جنت نشاں میں محبوس رہنے پر مجبور کیا وہیں کے ایک صاحب رحیم خاں دہلی فوج کے کمانڈر تھے انھوں نے اپنے تحت رہنے والی فوج کے ہمراہ علم جہاد بلند کیا لیکن ان کو دہلی میں ہی جام شہادت نوش کرنا پڑا اسی طرح شہر کے ایک ممتاز رئیس نواب عبداللہ خاں تلنگی نے بھی اپنے زیر اثر تمام افراد کے ساتھ جنگ میں شرکت کی اور اپنی تمام جائیداد اور روپیہ پیسہ جنگ کی نذر کر دیا ان کی باقی ماندہ جائیداد کو بعد میں انگریز نے نذر آتش

کر کے ان کو محبوس کر دیا لیکن پھر بھی انھوں نے جرأت وجوانمردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اعلان حق سے رجوع نہ کیا اور اپنے باغیانہ عزائم کو خیرباد کہنے سے آخیر وقت تک انکار کرتے رہے چنانچہ ان کو اور ان کے رفیق کار جناب امیر خاں حسن صاحب کو بھی ان غیر ملکی سامراجی درندوں نے شہید کر دیا

اس بے جا قتل و غارتگری پر میرٹھ کے تمام ہند و مسلم فوجیوں نے انگریز کے خلاف کھلم کھلا فساد شروع کر دیا کئی افسروں اور ان کی بیویوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور بہت سے سرکاری کاغذات کو اپنے قبضہ میں لے لیا فوج کی اس زبردست باغیانہ حرکت نے پوری انڈسٹری کو خوف زدہ کر دیا اور تمام ہی بڑے بڑے افسران اپنے بیوی بچوں کو ہندوستان سے باہر بھیجنے لگے اس بڑھتے ہوئے تشدد کو روکنے کے لئے وائسرائے نے بہت سی تدابیر اختیار کیں لیکن سب ناکام ہو رہی تھیں

کرنل فٹش کی میرٹھ آمد

آخیر میں کرنل فٹش کو افہام و تفہیم کے لئے روانہ کیا اس نے میرٹھ فوج کے مختلف دستوں کو جمع کر کے ان کو سمجھانا شروع کیا اور بغاوت کو فوری طور پر ختم کرنے کا مشورہ دیا بہت سے لالچ دیئے کہ انسداد بغاوت کے بعد ہم تمہیں بہت سے

کلیدی عہدوں پر فائز کریں گے اور تمہارے ہر قسم کے مطالبات مانے جائیں گے لیکن اس تقریر کے دوران ہی ایک سپاہی رجیت سنگھ نے کرنل فنش پر گولی چلادی اور مسلسل وار کر کے ان کو وہیں ختم کر دیا یہ شور و غل سنکر بہت سے افسران بریڈ کے میدان میں آگئے تھے مگر فوجیوں کی دسترس سے کوئی نہ بچ سکا بقیہ افسران اپنے دفاتر چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنے لگے پورے ملک میں اس واقعہ سے ہلچل مچ گئی اور ہر طرف افسران کے ساتھ میرٹھ کے سلوک کا اعادہ کیا جانے لگا اور ہر طرف قتل غارت گری نسل کشی اور آتش زنی کا بازار گرم ہو گیا جہاں کوئی انگریز مرد عورت بوڑھا یا بچہ ملتا اس کو فوراً ہی تہہ تیغ کر دیا جاتا۔

برٹش رجمنٹ کا ردعمل

ان واقعات نے نہ صرف انگریز کے ہندوستانی اقتدار کو متزلزل کیا بلکہ اس بغاوت اور اشتعال کے شعلے فخر برطانوی میں شگاف ڈالنے کا سبب بھی بن گئے انگریزی سامراج جو ہندوستان پر حکومت کرنے کے سہارے دنیا کی تمام اقوام پر فوقیت اور برتری حاصل کئے ہوئے تھا برادران وطن کی بیش بہا قربانیاں دیکھ کر حد درجہ خائف و ہراساں ہو گیا اس کو اپنی قسمت کا ستارہ زیر گردش نظر آنے لگا چنانچہ اس نے اس عظیم بغاوت کو کچلنے کے

لئے برٹش رجمنٹ کا سہارا لیا اور اس بغاوت کو کچلنے کے لئے جملہ اختیارات سونپ دیئے رجمنٹ نے سب سے پہلے بارکپور اور میرٹھ کا رخ کیا اور جگہ جگہ توپ خانے نصب کر کے گولا باری شروع کر دی توپوں اور بندوقوں کی مسلسل یورش و یلغار نے محبت وطن افواج کے عزائم متزلزل کر دیئے ہندوستانی عوام کے انگریزی فوج نے اپنے حوصلہ شکن اقدامات سے پیر اکھاڑنے شروع کر دیئے مشین گنوں سے نکلنے والی گولیاں ان کی شجاعت و دلیری اور سینہ سپری کے قلعہ کو مسمار کرنے لگیں شہروں اور قصبوں کی بھری آبادیاں ظلم و عداوت کی چنگاری سے تودہ خاک بن گئیں نوبت بایں جا رسید کہ پورے ملک میں انتشاری حالات اور غیر اطمینان بخش کیفیات نے جنم لیا اور ہر طرف افراتفری کا بازار گرم ہو گیا محبین وطن کو دیکھتے ہی گولی مار دینے کا حکم نافذ کر دیا گیا ہزاروں بے گناہ انسانوں کو کھڑا کر کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنایا گیا ہزار ہا افراد کو گولیوں کا نشانہ بن کر داعیٔ اجل کو لبیک کہنا پڑا میرٹھ کا خونی پل جو آج بھی اسی نام سے موسوم ہے اس پل پر بہت سی صلیبی ٹکٹکیاں نصب کی گئیں جہاں مظلوموں کو کئی دن تک بھوک اور پیاس کی صعوبت سے ہمکنار کر کے چوبیجا کیا جاتا تھا علاقہ خیرنگر کے چوراہے پر بھی عام انسانوں پر ـــــ اسی قسم کے بربریت خیز

حیرت انگیز اور انسانیت سوز مظالم ڈھائے جاتے تھے گھنٹہ گھر کے سامنے اجمیر روڈ پر درختوں میں رسیاں اور تار ڈال دیئے گئے تھے جن میں روز و شب مسلسل پھانسیاں دی جا رہی تھیں ظلم و سفاکیت کی انتہا یہ تھی کہ ان مظلوموں کی نعشوں کو کئی دن تک انہیں درختوں پر معلق رکھا جاتا تھا نعش کے گلنے سڑنے کے باوجود بھی اس کو کسی دوسرے مقام پر پہونچانے کی اجازت نہ تھی اگر ان مظلوموں کے ورثا یا متعلقین فریاد و بکا کے لئے اس طرف جانے کا بھی قصد کرتے تو فوراً ان کو گولیوں کا نشانہ بنا دیا جاتا تھا باغپت غازی آباد ڈاسنہ مسوری اور ہاپوڑ وغیرہ میں بھی اس قسم کے آدمیت شکن اور انسانیت سوز واقعات کا اعادہ کیا گیا بہت سی مذہبی و غیر مذہبی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں اور گاؤں کے گاؤں بحق سرکار ضبط کر لئے گئے مسجدوں اور مندروں کو اپنی تحویل میں لیکر عیسائیوں کو ان پر قابض کر دیا گیا جس کے متعلق باغی ہونے کا شبہہ بھی ہوا اس کو تختۂ دار کی نذر کر دیا یہ سب کچھ اس مقصد کے پیش نظر کیا جا رہا تھا کہ ہندوستانی عوام بالخصوص طبقہ مجاہدین کو اس درجہ لرزاں و ترساں کر دیا جائے کہ آئندہ کبھی بغاوت کے جراثیم ظہور پذیر نہ ہونے پائیں اور ہندوستانی عوام ہمیشہ کے لئے طوقِ غلامی اپنے گلے میں بخوشی ڈال لیں اسی بنا پر

ان کی املاک کو ضبط کیا جا رہا تھا تاکہ وہ معاشی اور اقتصادی اعتبار سے بھی مفلوج ہو جائیں ان کے معاشی تفکرات غلامی کی زنجیر کو توڑنے کی فرصت نہ دے سکیں۔

ضبطی جائیداد

چنانچہ ڈاسنہ مسوری اور ناہل وغیرہ کا علاقہ ایک مسلمان ـــــ راجپوت کے قبضہ میں تھا اس نے انگریزوں سے زبردست ٹکر لی اور اپنے تمام لشکر کو انگریزی سامراج کا سر کچلنے کے لئے استعمال کیا انگریزی افواج کے سر قلم کر کے نہر میں بہا دیئے جس کے نتیجہ میں ان مقامات پر مشین گنیں نصب کر دی گئیں اور راہ چلتے مسافروں کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا ہر گاؤں میں زبردست پہرے لگا دیئے گئے اور اس مسلمان راجپوت کا سارا علاقہ ضبط کر کے ایک انگریز بیم کو دیدیا موضع بسی اور ہرچن پور کو گوجروں سے چھین لیا گیا اور اس کی تمام املاک ایک انگریز جو ببنس صاحب کے نام سے مشہور تھا کے نام کر دی گئیں۔

اسی طرح غازی آباد جناب مرزا فیروز بخت کے تحت تھا مرزا جی نے بھی بڑی دلیری و جرأت مندی سے انگریز کا مقابلہ کیا تھا جس کی پاداش میں انھیں بھی اپنے علاقہ سے ہاتھ دھونے پڑے شور و نر پور سے حاکم ایک مسلمان گوجر نادر علی خاں نے بھی بہت زور شور سے بغاوت کی اور ہر طرح

انگریزی فوجوں کو نقصان پہونچایا جس کی وجہ سے اس کی تمام جائیداد چھین کر بڑوت کے ایک مشہور جاٹ دلیپ سنگھ کو دیدی گئی باغپت کے جاٹوں کی زمین کھیکڑہ والوں کے نام کردی گئی۔

میرٹھ میں مقیم ایک انگریز کو سنگوگاؤں انعام میں دیدئے گئے سردھنہ کے نواب صفدر علی کی املاک کو ضبط کر کے معمولی داموں پر نیلام کیا گیا کھتولی والوں کی عمارتیں بحق سرکار مخصوص کر کے انگریزی افواج کی رہائش گاہ بنائی گئیں میرٹھ کے نواب محمد اسمٰعیل خاں کے دادا نواب محمد مصطفٰے خاں شیفتہ تھے جو بالاگڑھ کے والی نواب واجد علی خاں کے خاص رشتہ دار تھے ان کا رعب و دبدبہ شہرۂ آفاق حیثیت حاصل کئے ہوئے تھا شجاعت و دلیری میں ان کے خاندانی واقعات کو لوگ بطور تمثیل پیش کیا کرتے تھے انھوں نے بھی کئی بار انگریزوں سے مورچے لئے ہر موقعہ پر انگریز کو زبردست جانی و مالی نقصان برداشت کرنا پڑا اور ہر دفعہ انگریز ناکام و نامراد ہوکر میرٹھ کی سرحدوں سے واپس ہوا لیکن انگریز کی بے پناہ غیر ملکی طاقت کے مقابلہ میں ان کی خاندانی قوت کیا کام کرسکتی تھی، اس لئے بالآخر ان کو شکست کھاکر نیپال جانا پڑا اور اپنی عمر کے بقیہ حصّہ کو انھوں نے نیپال ہی میں گزارا البتہ ان کے خاندان کے بعض افراد میرٹھ کے قرب وجوار ہی میں مقیم رہے۔

اگرچہ نتیجہ کے اعتبار سے نواب صاحب کو انگریزی طاقت کے سامنے سرنگوں ہونا پڑا تھا لیکن پھر بھی انگریز ان کے خاندان کی طرف سے خوف و دہشت کا شکار تھا اور بعض انگریزی سپہ سالار نے یہ اعتراف بھی کیا کہ ہم کو جتنا زبردست مورچہ میرٹھ کا سر کرنا پڑا اتنا ملک کے کسی مورچہ کا حصہ ہمارے لئے دشوار کن اور سخت نہیں تھا مستقبل کے لئے بھی وہ اسی مورچہ سے غیر مطمئن تھے اسی اندیشہ کی بنا پر انھوں نے میرٹھ کے چاروں طرف زبردست انتظامات کئے تھے اور مشتبہ افراد کو یا قتل کر دیا اور یا شہر بدر کر دیا نواب صاحب کے خاندان کے افراد کو جہاں بھی پناہ گزیں تھے سب کو کسی نہ کسی بہانے سے تہہ تیغ کر دیا ان کے بھتیجے پر جاسوسی اور بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلا کر تختۂ دار پر چڑھا دیا میرٹھ میں گھاٹ پانچلی کا علاقہ گوجروں کے تحت تھا جو انگریز نے اپنے قبضہ میں لیکر کورمتی دالوں کیلئے نیلام کر دیا اس علاقہ میں انگریزی مظالم کی داستان چنگیز و ہلاکو کی یاد تازہ کر دیتی ہے یہاں کے ہر نوجوان کو لائن میں کھڑا کر کے گولی سے اڑا دیا گیا بوڑھوں اور بچوں کو دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا گیا عورتوں نے اپنے معصوم بچوں کو اپنے دامنوں میں چھپا کر بچایا عورتوں کے ساتھ نہایت وحشیانہ سلوک کیا گیا ان کی عفت و عصمت کو بری طرح داغدار کیا گیا اور آ بنی ہوس کی بھینٹ میں سینکڑوں دوشیزاؤں کو

موت کے گھاٹ اتار دیا جو مرد و عورت اپنی جان اور عزت بچانے کی خاطر وہاں سے بھاگے ان کو دوسرے راستوں سے پکڑ کر وکٹوریہ پارک کے درختوں پر پھانسی دیدی گئی سر سلی اور بجوا تڑہ کے جاٹوں نے چونکہ انگریز سے مورچہ لینے میں شاہ مل سنگھ کا بھرپور تعاون کیا تھا اس لئے ان کی جائیدادوں کو بحق سرکار محفوظ کر کے نیلام کر دیا گیا اور سینکڑوں نوجوان بہادروں کو موت کی نیند سلا دیا گیا

ہاپوڑ کا تاریخی پس منظر

میرٹھ کی ہر تحصیل ہر قصبہ ہر دیہات انگریز کے مظالم کی لپیٹ میں تھا اور برادران وطن کی املاک غیر ملکی سامراج کے قبضہ میں جا رہی تھیں ہاپوڑ کو بھی کئی مرتبہ آماجگاہ قتل و غارت گری بنانے کی کوشش کی گئی لیکن باشندگان ہاپوڑ نے نہایت دلیری اور جانبازی سے بیرونی سامراج کا مقابلہ کیا اور ہاپوڑ کی سرحدوں میں انگریز غنڈوں کو قدم رکھنے سے باز رکھا اس لئے ہاپوڑ کی جانب سے انگریز نے فوراً رخ موڑ لیا اور دوسری تحصیلوں میں ظلم و ستم کے انگارے برسائے سب سے آخر میں ہاپوڑ کی سمت روانہ ہوئے اور غیر معمولی سپاہ کے ساتھ رات کے وقت اچانک حملہ کر دیا

ہاپوڑ میں ایک نہایت عظیم الشان مدرسہ سیدوں کے محلہ میں تھا جو مدرسہ سادات کے نام سے مشہور تھا سید ہی اس کے متولی اور ذمہ دار تھے بغیر چندہ کئے اس مدرسہ کو چلاتے تھے چار سو یا پانچ سو طالب علم ہر سال وہاں درس حدیث و تفسیر کے داخل ہوتے تھے جن کے قیام و طعام اور دیگر اخراجات کی تمام تر ذمہ داری ارباب مدرسہ پر ہوتی تھی اس مدرسہ کے تحت متعدد گاؤں تھے جن کی تمام آمدنی مدرسہ کو آتی تھی ہاپوڑ میں بھی اس کی کافی جائیداد تھی دورۂ حدیث کی جملہ کتب کا درس دیا جاتا تھا اور سینکڑوں بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کے لئے مدرسہ سے وظائف کا اجراء کیا جاتا تھا اس مدرسہ کے تحت ایک مسجد تھی جس کو سیدوں کی مسجد کہا جاتا تھا مدرسہ کی عمارت بھی قدیم شاہانہ طرز پر تھی برطانوی فوج نے ۱۸۵۷ء کے معرکہ میں اس مدرسہ کو بھی ظلم و بربریت کا نشانہ بنایا بیشتر طلباء و مدرسین کو شہید کیا اور کچھ کو گرفتار کر لیا کچھ اساتذہ و تلامذہ راہ فرار اختیار کر گئے انگریزی فوجوں نے مدرسہ پر مکمل قبضہ کر لیا اور مسجد و مدرسہ میں اپنے گھوڑے باندھ کر سیدوں کی آبادی کو بھی زبردست نقصان پہونچایا سادات نوجوانوں نے یاس و بیم کے مراحل سے گذر کر اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھا اور انگریز کے خلاف خفیہ جنگ شروع کر دی کوئی

رات ایسی نہ گذرتی تھی جس میں انگریز کے کسی سپاہی کو
اچانک قتل یا زخمی نہ کیا جاتا ہو چند نوجوان رات کے وقت
دھوکے سے اندر گئے اور دو گھوڑے کھول کر باپوڑ سے
باہر بھگا لے گئے برطانوی افواج اس واقعہ کے بعد بہت
چڑ چڑ ہو گئیں اس قسم کے متعدد واقعات سے انگریز کے
حوصلے پست ہو چکے تھے اور ان کو اندازہ ہو گیا تھا کہ ہمارا
یہاں قیام بہت ہی دشوار اور محال ہے اس لئے انھوں نے
مدرسہ سادات سے اپنا تسلط ختم کر دیا اور اس کی تمام
جائیداد اور اس کے ماتحت دیہات کو بحق سرکار الاٹ
کر کے مدرسہ اور مسجد کو نیلام کر دیا جس کو معمولی دام
دے کر ایک غیر مسلم نے خرید لیا میرے والد مرحوم نے
بھی انگریز سے خریدنے کی کوشش کی تھی لیکن انگریز نے
ان کو دینے سے انکار کر دیا والد مرحوم بہت رنجیدہ تھے
کہ ہمارے خاندانی مآثر و معابد کی اس طرح بیع کی جا رہی ہے اور جس مقام پر درس قرآن و احادیث دیا
جاتا تھا وہ ایک غیر مسلم کی رہائش گاہ بن جائے یہ ان کو
اپنی حیات میں منظور نہ تھا چنانچہ انھوں نے غیر مسلم کو
کافی سمجھا بجھا کر اپنی جانب سے کثیر رقم ادا کی اور اس
کو اپنی ذاتی ملکیت کی حیثیت سے خرید لیا اور رفتہ رفتہ
وہاں اذان و جماعت کا سلسلہ قائم کیا مگر چونکہ مدرسہ
کی تمام جائیداد ضبط کی جا چکی تھی اور اسکی مستقل آمدنی

کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہا تھا اسلئے مدرسہ کا پچھلی شکل پر آنا شاق اور دشوار تھا تاہم انھوں نے اجراء تعلیم کے پیش نظر ایک نیا مدرسہ قائم کیا جو ابتداء میں ایک مکتب کی شکل لئے ہوئے تھا پھر بتدریج ترقی کرکے اس نے بھی عربی مدرسہ کی شکل اختیار کر لی تھی اور مسجد میں بھی کافی توسیع کرا دی گئی۔

چونکہ یہ مدرسہ سادات اب والد مرحوم کی ذاتی ملکیت تھا اس لئے انھوں نے مدرسہ کے ارد گرد کچھ مکانوں کی تعمیر اپنی ذاتی رقم سے کرائی اور ان مکانوں میں سیدوں کو آباد کر دیا ان کا کرایہ والد مرحوم ہی وصول کرتے اور اس کرایہ سے مسجد و مدرسہ کے اخراجات پورا کرتے لیکن وہ تمام مکانات انھوں نے اپنی ملکیت میں ہی رکھے البتہ اپنی زندگی کے آخیر لمحات میں انھوں نے ان مکانات کا کرایہ بھی مسجد کے لئے مخصوص کر دیا تھا تاکہ وہ مسجد اور مدرسہ ان کے لئے صدقہ جاریہ بن جائے والدہ مرحومہ فرماتی تھیں کہ تمہارے والد نے اس مدرسہ کو قائم کرنے اور ترقی دینے میں رات دن مسلسل جد و جہد کی ہے اور اپنے تمام مال و اسباب کو اس مسجد و مدرسہ کی نذر کر دیا ہے ان کو آخیر وقت تک یہی تمنا تھی کہ میرا خاندان ہی اس مدرسہ کا نگہبان اور سرپرست رہے خود میرے مدرسہ سادات کے متعلق بہت کچھ عزائم تھے لیکن حالات کی

شدومد نے عزائم کا رخ بدل دیا ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دہلی کا قیام پھر دارالعلوم دیوبند اور مرادآباد کی منتقلی نے اس کی اجازت ہی نہیں دی کہ میں ہاپوڑ رہ کر اس مدرسہ کے لئے کچھ کر سکتا۔

علاوہ ازیں وہاں حافظ محمد غفران علیہ الرحمۃ کا قابل قدر مدرسہ موتی مسجد جو اسٹیشن روڈ پر واقع ہے میں قائم تھا وہاں قرآن کریم کی تعلیم اور مبادی دینیات کا معقول انتظام تھا اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے مدرسہ کا قیام غیر ضروری اور نامناسب تھا اس لئے میں نے اپنے چچا زاد بھائی حافظ سید ابوہریرہ صاحب پر اس کی ذمہ داری ڈالدی میرے اکابر کا مشورہ بھی یہی تھا کہ اب ہاپوڑ اور اس کے قرب و جوار میں کافی مدارس قائم ہو چکے ہیں اس کو مسجد کی حیثیت ہی میں برقرار رکھا جائے۔

ہاپوڑ کی ایک برگزیدہ ہستی

حافظ محمد غفران صاحب سے ہمارے اکابر کا غیر معمولی تعلق تھا حافظ صاحب اکثر بیشتر دارالعلوم بھی تشریف لایا کرتے تھے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کے یہاں میری بھی ان سے بارہا ملاقات ہوئی ہے حافظ صاحب کا زہد و تقوی اور تورع تمام اکابر پر آشکارا تھا حافظ صاحب دینی معاملات میں بالخصوص بہت محتاط تھے

جب دیوبند تشریف لاتے تو قبرستان قاسمی پر رات کے آخری حصہ میں ضرور جاتے وہاں بیٹھکر کئی گھنٹہ روتے اور دارالعلوم اور دیگر مدارس دینیہ کے لئے دعا فرمایا کرتے۔ اسفار میں بھی جماعت سے نماز پڑھنے کا اہتمام والتزام کیا کرتے تھے پیرانہ سے بیرانا مریض ان کے دم کردہ پانی کو پی کر شفا یاب ہو جاتا تھا یہی وجہ تھی کہ ہاپوڑ میں باوجودیکہ کفر وضلالت کا بہت زور تھا اور مسلم عوام بھی علماء سے حد درجہ بیزار تھے لیکن حافظ صاحب کا ہر چھوٹا بڑا احترام کرتا تھا مسلم اور غیر مسلم سب ان سے اعتقاد رکھتے تھے اور ان سے دعائیں حاصل کرنے کے لئے بے چین رہتے تھے اور ان کی نظر عنایت کو اپنے لئے باعث افتخار متصور کیا کرتے تھے۔

بہت سے طالب اولاد محض ان کی دعا سے صاحب اولاد بن گئے ہر ایک کی نیک تمنائیں و دلی آرزوئیں ان کی دعا و توجہ سے پوری ہو جایا کرتی تھیں انکے مدرسہ میں داخل ہونے والا روحانی فضاؤں کے آثار محسوس کرتا تھا انکے مدرسہ کی وجہ سے ہاپوڑ اور اس کے گرد و نواح میں اسلامی فضا اور دینی ماحول پیدا ہو چکا تھا مگر کچھ شر پسند اور فتنہ پرور مسلمان ان کے دینی پروگرام سے اتفاق نہ رکھتے تھے اور ان کی کوشش حافظ صاحب کو شہر سے بھگانے اور مدرسہ کا قلع قمع کرنے کی تھی لیکن خداوند قدوس نے ان کی

اور ان کے مدرسہ کی حفاظت کی اور گمراہ لوگوں کے ناپاک ارادوں کو خاک میں ملادیا حضرت حافظ صاحب تادم زیست اس وہن کے پودے کی آبیاری کرتے رہے اور اپنے ہر سانس کو اشاعت اسلام میں لگاتے رہے مگر چونکہ یہ مدرسہ دو تین مدرسوں تک محدود تھا اور صرف قرآن پاک اور ابتدائی دینیات کی تعلیم اس میں دیجاتی تھی اسلئے اس کی خدمات سے کما حقہ فیضان نہ ہورہا تھا نہ بڑھتی ہوئی بدعات و مفسدانہ رسوم کو ختم کرنے کے لئے وعظ و تبلیغ کا انتظام تھا مہلک نظریات کی بیخ کنی کرنے کا بھی بند و بست نہ تھا جس کی وجہ سے علماء سے نفرت فروغ پارہی تھی لوگوں نے کئی بار حافظ محمد غفران صاحبؒ سے خواہش ظاہر کی علمائے دیوبند کو یہاں بلایا جائے اور ان کی تقاریر کرائی جائیں تاکہ عوام الناس کی مذہب بیزاری ختم ہوسکے اور وہ مذہبی رہنماؤں کے قدر دان بن جائیں حافظ محمد غفران صاحبؒ محتاط ہونے کی بنا پر اس کو منظور نہ کرتے تھے

کیونکہ گورنمنٹ کی جانب سے علماء کو مدعو کرنے پر پابندیاں عائد تھیں سی آئی ڈی کی انکوائری کے بعد اجازت ملتی تھی بالخصوص حضرت مدنی کو بلانے والا حکومت کی نظر میں مشتبہ ہوجاتا تھا حافظ صاحب اپنے حالات کے تحت یہ مناسب نہ سمجھتے تھے اسلئے حضرت مدنیؒ

و دیگر علماء چاہتے تھے کہ شہر میں دوسرا بڑا مدرسہ قائم کر دیا جائے جہاں علماء کی آمد ورفت بھی ہوتی رہے اور مہلک نظریات کو ختم کرنے والے نونہال بھی پیدا ہوتے رہیں لیکن کیونکہ اللہ کا سنبدہ اس اہم ضرورت کی تکمیل کیلئے تیار نہ ہوتا ایک مرتبہ حضرت شیخ الاسلام حاجی اللہ بخش صاحبؒ کی حج سے واپسی کے موقعہ پر ہاپوڑ تشریف لائے حاجی اللہ بخش قاری عبدالرحمٰن صاحب کے والد تھے حاجی صاحب کا میرے والد مرحوم سے بہت خاص تعلق تھا حاجی صاحب اکثر والد مرحوم کے مطب میں آکر بیٹھ جاتے تھے وہاں مختلف موضوعات پر کافی دیر تک گفتگو ہوتی رہتی تھی۔

یہ اس خاندان کی خصوصیت رہی کہ اس نے ہر وقت اکابر سے تعلق رکھا حاجی اللہ بخش صاحب کو بھی میرے والد علیہ الرحمۃ حافظ محمد غفران صاحبؒ اور حضرت مدنی وغیرہ سے خاص عقیدت و محبت تھی وہ ہر تقریب میں ہمارے پورے گھرانہ کو مدعو کیا کرتے تھے علماء کرام کی بھی گاہے گاہے دعوت کیا کرتے تھے زیارت بیت اللہ سے واپسی پر انھوں نے دعوت عام کا اہتمام کیا تھا حضرت مدنی علیہ الرحمۃ اور دیگر اکابر بھی شریک تھے قاری عبدالرحمٰن صاحب چونکہ حضرت مدنی کے خاص مرید تھے اس لئے حضرت نے ان کو مجبور کرتے ہوئے فرمایا کہ ہاپوڑ کے ناگفتہ بہ اور پر آشوب حالات تمہارے سامنے ہیں لادینی اور

اسلام بیزاری کے مناظر ہر وقت تمہارے سامنے آتے رہتے ہیں پھر بھی تمہارا دینی جذبہ جوش زن نہیں ہوتا حضرت قاری صاحب نے بہت زیادہ معذرت کی لیکن حضرت علیہ الرحمۃ برابر مصر اور بضد رہے کہ آخر خدا کے سامنے تم کیا جواب دوگے میں سمجھتا ہوں کہ اس قصبہ میں جس قدر احیاءِ دین کی ذمہ داری تمہاری گردن پر ہے دوسرے اس سے بری ہیں۔

قاری صاحب نے اپنے کاروباری مشاغل اور گھریلوں ذمہ داریاں سامنے رکھیں اور مسلمانوں کی بیزاری اور انکے عدم تعاون کا تذکرہ کیا حضرت فوراً آگ بگولہ ہوگئے اور فرمایا کہ تمہارے لئے بحیثیت پیر و مرشد میرا یہی حکم ہے روزی رساں خدائے تعالیٰ ہے وہ غیب سے تمہارے کاروبار کی ترقی کے ذرائع فراہم کرے گا۔

اہل قصبہ اگر دینی مدرسہ کا قیام نہیں چاہتے یا اس کا تعاون کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے تو تمہیں اس کا ذرّہ برابر خیال نہ کرنا چاہیئے یہ خدا کا کام ہے تم ہمت کرکے اس کا آغاز کرو خداوند قدوس اس کو انجام تک پہونچائے گا۔

مدرسہ رحمانیہ کا قیام

بالآخر قاری عبدالرحمٰن صاحب نے مدرسہ کی ذمہ داری سنبھالنے کا وعدہ کیا اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے تاریک اور پر آشوب ماحول میں مدرسہ کی بنیاد ڈالدی اور عوام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تمہارے لئے آخرت کا سامان پیدا کر رہا ہوں تم پر اس کی اعانت اور حمایت فرض ہے ابتداء میں یہ مدرسہ قاری صاحب کے مکان میں رہا پھر اس کی مستقل عمارت الگ بن گئی اس مدرسہ کے قیام کے بعد قصبہ کا دیندار طبقہ بہت مسرور و مطمئن ہوا۔

تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا اور قرآن کریم کی تعلیم سے کثیر تعداد میں لوگ استفادہ کرنے لگے چند ہی سال بعد شعبہ پرائمری قائم ہوا اور پھر گورنمنٹ سے رجسٹرڈ کرالیا حضرت مدنی کی مساعی نے عربی شعبہ بھی بہت جلد قائم کر دیا۔

حضرت مدنی کے علاوہ حضرت مولانا اعزاز علی شیخ الادب دارالعلوم دیوبند مفتی اعظم ہند حضرت مولانا کفایت اللہ صاحبؒ، سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ بانی تبلیغ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ، حضرت مولانا قاری حبیب الرحمٰن صاحبؒ اور مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب

وغیرہ نے بھی اخیر وقت تک اس مدرسہ سے تعلق رکھا اور اس کی بقاء وترقی کے لئے ہمیشہ ساعی وکوشاں رہے ہیں حضرت شیخ الاسلام کے ساتھ سفر و حضر میں بار رہا ہوں اور میں نے ان کے قریب رہ کر ان کے مزاج اور طبیعت کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت مدنی اس ادارہ کے لئے بہت بے چین رہتے تھے جب بھی مدرسہ پر کوئی ضرب لگتی یا مخالفین کوئی ہنگامہ کھڑا کرتے اور اس کا علم حضرت کو ہو جاتا تو آپ بہت مضطرب اور بے قرار ہو جاتے تھے ایک مرتبہ میں حضرت کے ہمراہ مراداباد سے دہلی سفر کر رہا تھا جب ہاپوڑ سے گذر ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں ہم قدم نہیں رکھ سکتے تھے علماء کا نام لینے والا واجب القتل سمجھا جاتا تھا پورا علاقہ مسلم لیگ کی چھاؤنی اور ضلالت و بدعت کی آماجگاہ بنا ہوا تھا جمعیۃ علماء کے ارباب اور دارالعلوم دیوبند کے متعلقین و فضلاء کے لئے یہاں داخلہ ممنوع تھا ہم نے یہاں مدرسہ رحمانیہ قائم کیا قاری عبدالرحمٰن صاحب نے کمربستہ ہوکر نہایت جرأت اور دلیری سے کمراتا اور مخالف عناصر کا مقابلہ کیا اور اہل قصبہ کو جو علماء سے بدظنیاں قائم تھیں ان کو ختم کیا حضرت مدنی رح نے فرمایا کہ یہی وہ مقام ہے جہاں سے مجھے کئی مرتبہ قتل کی دھمکیاں ملی تھیں میرے پاس دھمکی آمیز خطوط بھی ائے گئے لیکن اب خدا کا شکر ہے کہ ہر طرف دینی و علمی ماحول پیدا

ہو چکا ہے جہالت و جہالت بہت حد تک ختم ہو گئی ہے اور علماء کرام سے تنفر اور توحش بھی ختم ہو گیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے حضرت مدنی کے زمانہ میں بھی اس ادارہ کے فروغ اور ترقی کے لئے ہر ممکن کوشش کی اور حضرت کے وصال کے بعد میں نے ذمہ داری کو پوری شدت سے محسوس کیا اور جس طرح جمعیۃ العلماء ہند دار العلوم دیوبند یا مدرسہ شاہی مراد آباد اور مدرسہ عربیہ جامع مسجد امروہہ وغیرہ سے رابطہ رکھا اور ان کی خدمت کے لئے ہمیشہ تیار رہا اسی طرح مدرسہ رحمانیہ کو بھی میں نے اپنا ہی مدرسہ سمجھا اور بحیثیت سرپرست اس کی ترقی کے لئے دعا اور کوشش کی لوگ کچھ بھی کہیں لیکن میں خود اپنی ذاتی حد تک یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہاپوڑ میں اس مدرسہ کا قیام تاریکیوں میں ایک اجالا تھا اور اس وقت بھی اس ادارہ کی علمی و دینی خدمات سے استفادہ جاری ہے اور وحدہٗ لاشریک سے دعا ہے کہ وہ اس مدرسہ کو قائم و دائم رکھے اور اس کی خدمات سے مسلمان قیامت تک استفادہ کرتے رہیں ——— آمین

ہاپوڑ کا یہ تاریخی پس منظر اور اس کی تفصیلات میرے ان سوالوں کا جواب ہیں جو میں نے محرم ۱۳۸۹ھ کی مجالس میں ہاپوڑ کے مختلف فیہ واقعات سے متعلق کئے حضرت نے ان کا تفصیلی اور باحوالہ جواب دیا ہیں اور میرے رفقاء

تعجب کرتے تھے کہ عصر قدیم کی مستند باتیں حضرت کے ذہن و دماغ میں اسطرح محفوظ ہیں جیسے گذشتہ کل کے بارے میں کوئی سوال کر رہا ہوں اور ان ۔۔ مجالس میں مولوی احمد اللہ بستوی ۔۔۔ مولوی حامد میاں بمبئی مولوی صدیق رضا مرادابادی اور مولوی عبداللہ میرٹھی وغیرہ بھی شریک تھے اس سے قبل باشندگان میرٹھ کے ملی اور ملکی کارناموں سے متعلق معلومات مولوی عبداللہ اور مولوی عباس احمد صاحب سیکر میرٹھی کے ان مختلف سوالات کا نتیجہ ہیں جو انھوں نے بعد العصر کی مجالس میں کئے۔

حالاتِ وفات

کیفیتِ مرض

حضرت فخر الاسلام شروع ہی سے نحیف و ضعیف تھے اور بہت سے امراض کا شکار رہتے کیونکہ کمزور آدمی اگر اصول صحت سے ذرہ برابر انحراف یا بے احتیاطی کرتا ہے تو گوناگوں امراض اس پر بہت جلد حملہ آور ہو جاتے ہیں فخر الاسلام کی نزاکت طبعی کا بچپن سے ہی یہ عالم تھا کہ پیر کے نیچے سبزی یا اس کا چھلکا آگیا اور فوراً نزلہ زکام اپنا رنگ دکھلانے لگا سات سال کی عمر سے ہی بواسیر کا حملہ ہو چکا تھا اور ہر قسم کے علاج کے باوجود عمر میں اضافہ کے ساتھ مرض میں بھی ازدیاد ہوتا جاتا تھا سخت مضطرب اور بیکرال رہتے تھے جس زمانہ میں راقم الحروف دیوبند تھا اس وقت حکیم صدیق حسن صاحب کا علاج چل رہا تھا حکیم موصوف شہر بریلی میں اپنا مطب کرتے تھے آپ کا مطب صدیقیہ دواخانہ کے نام سے مشہور تھا

حضرت خود فرماتے تھے کہ تمام عمر گذرنے کے بعد ایک حکیم پر میرا اعتقاد راسخ ہوا ہے ورنہ میں سمجھتا تھا دنیا سے علم طب اور اس کے ماہرین ختم ہو گئے ہیں دوا اس وقت

کا اثر نہیں کرتی جب تک اس کے تجویز کرنے والے پر اعتماد کامل نہ ہو اور میرا اعتماد آج تک کسی پر نہ ہو سکا اسلئے کسی کی دوا بھی مفید ثابت نہ ہو سکی خدا کا شکر ہے کہ حکیم صدیق حسن صاحب کی تشخیص اور تجویز میرے نزدیک انسب قرار پانے لگی اور ان کا اثر بھی میرے حق میں مفید ثابت ہونے لگا چنانچہ حضرت ان سالوں میں پہلے کی بہ نسبت کچھ مطمئن نظر آتے تھے مگر مرض الوفات کو کون روک سکتا ہے رفتہ رفتہ حالت ابتر ہونے لگی اور پہلے کی طرح کمزوری کے اثرات پھر نمایاں ہونے لگے قبض کی شکایت بڑھ گئی آنکھوں پر ورم رہنے لگا اور انفلات ریح کا دوران بھی پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گیا حضرت کے بالمقابل سفر میں یہ اثرات زیادہ غالب رہنے لگے اس لئے سفر بھی کم کر دیئے اور زیادہ تر دیوبند یا مراد آباد کے قیام کو ترجیح دی جانے لگی درس بخاری شریف کی ناغہ کرنا طبیعت کو قطعاً گوارہ نہ تھا سخت سے سخت بیماری کی حالت میں بھی سبق پڑھانے کے لئے چلے آتے تھے اور حسب معمول تین چار گھنٹے سیر حاصل تقریر فرماتے اکثر ایسا بھی ہوتا کہ رات بھر جاگنا ہوتا اور صبح کے وقت غنودگی آتی مگر درس کا گھنٹہ لگتے ہی بیدار ہو جاتے ——

اور فوراً وضو کرکے دارالحدیث کی جانب قدم رنجہ ہوتے دارالحدیث کے تخت پر جلوہ افروز ہوکر ہانپتے اور اسی عالم میں درس شروع فرما دیتے سبق کے بعد

جب مدنی منزل کی طرف چلنے تو اپنے سید سے قدم رکھتے طلباء حدیث کا جم غفیر پیچھے ہوتا طلباء نے کئی مرتبہ خواہش کی کہ ہماری بگی پر سوار ہو کر سبق پڑھانے کے لئے آجایا کریں مگر حضرت اس کو پسند نہ فرماتے تھے آخر میں چھوٹی گاڑی خرید لی گئی تھی اس کے ذریعہ حضرت آنے جانے لگے جب درس سے فارغ ہو کر آتے تو کچھ دیر لیٹ کر آرام فرماتے بعد میں کھانا تناول فرماتے کیونکہ انفلات ریح کا غلبہ رہتا تھا دوران درس جبری طریقہ پر ریح کو روکتے تھے تاکہ وضو ساقط نہ ہو جائے اور حدیث نبوی کی بے حرمتی نہ ہو پائیں وجہ طبیعت زیادہ خراب ہو جاتی اسی طرح نماز کے دوران وضو روکنے کی سعی فرماتے مگر ثقل و حرکت کی وجہ سے ریح اکثر و بیشتر خارج ہو جاتی تھی

سنہ ۹۰ھ میں راقم الحروف دورۂ حدیث کا طالب علم تھا حضرت کی طبیعت کا یہ عالم دیکھکر خدا سے اکثر دعا کیا کرتا کہ حضرت کا سایہ تادیر قائم رہے اور ہمیں زیادہ سے زیادہ اکتساب فیض کا موقع فراہم ہوتا رہے سنہ ۹۱ھ میں جب میرا داخلہ دارالافتاء میں ہوا تب بھی یہی دعا رہتی تھی خدایا امسال بھی مجھے حضرت سے خدمت حاصل کرنے کا موقع ضرور مل جائے چنانچہ حضرت اس سال دوسرے سالوں کی بہ نسبت زیادہ علیل رہے اور کئی کئی ہفتہ مسلسل مرادآباد میں قیام پذیر رہے مگر اللہ نے ان کا سایہ دارالعلوم پر

ضرور باقی رکھا اور ہزاروں تشنگان علوم کو سیرابی کا موقع بخشا۔

میرا داخلہ اگرچہ دار الافتاء میں تھا مگر میں زیادہ تر اوقات حضرت کی خدمت میں رہتا تھا حضرت بعض ایسی خدمتیں جو دوسروں سے نہ لیتے تھے مجھ سے لے لیا کرتے تھے سر پر تیل کی مالش اکثر میں ہی کیا کرتا تھا غسل سے قبل بدن کا میل چھڑانے کا فخر بھی ناچیز کو حاصل ہے اس سال میں میل چھڑانے کی حالت میں حضرت کے جسم میں کمزوری کے بہت زیادہ اثرات محسوس کرتا تھا کبھی کبھی میری آنکھیں اشک آلود بھی ہو جاتی تھیں مگر ضبط کرتا تھا۔

ازدیادِ مرض

ششماہی امتحان کی تعطیل گذارنے کے بعد حضرت جب مراد آباد سے تشریف لائے تو حالت سنبھلنے نہ پائی اور مرض دن بدن بڑھتا ہی چلا گیا یہاں تک کہ خلاف معمول کسی کسی دن درس کی چھٹی بھی کرنی پڑی اور حکیم صدیق حسن صاحب کی دوا کے ساتھ دیوبند کے ڈاکٹروں کی دوا بھی چالو کرنی پڑی حضرت کی خوراک اور نیند و غنودگی بھی کافی حد تک قلت ہو گئی لازوال اور انمٹ معمولات بھی کمی بیشی سے متاثر ہونے لگے یہاں تک کہ سالانہ امتحان آ گیا مگر حضرت کے مرض میں افاقہ ہونے کے بجائے اضافہ ہوتا گیا امتحانات کی نگرانی بھی حضرت صحیح طور پر نہ کر سکے کیونکہ ڈاکٹروں کی جانب سے کام کرنے کی ممانعت کر دی گئی تھی

ختم بخاری شریف کے موقع پر
فخر الاسلام کی آخری دعاء

سالانہ امتحان کے ختم ہونے کے بعد بخاری شریف کے اختتام کا مرحلہ آتا ہے اس کی تقریب بابت حضرت کی شرکت کے بغیر پایۂ تکمیل کو نہ پہونچ سکتی تھی حضرت اس میں شرکت کی ہمت نہ کر پا رہے تھے مگر طلباء کی جانب سے اصرار بے حد حضرت کو شرکت پر مجبور کر رہا تھا چنانچہ ختم بخاری کی تقریب بعد الظہر دار الحدیث تحتانی میں منعقد ہوئی۔ دار الحدیث طلباء و اساتذہ اہل شہر اور دور دراز سے آئے ہوئے مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اوپر کی عمارتوں پر عورتوں کا اژدہام تھا ہر شخص حضرت کے انتظار میں نظریں بچھائے ہوئے تھا۔

تقریباً تین بجے حضرت دار الحدیث تشریف لے آئے اور آخر کی حدیث پر تقریر فرمانے کے بعد دعاء کے لئے دست دراز فرمائے درود شریف کے بعد آپ نے جمیع انبیاء اولیاء صلحاء علماء امت اور تمام مسلمین و مسلمات کی ارواح مقدسہ کے لئے ایصال ثواب کیا بعدہٗ اسلام کی سربلندی دینی تعلیم کے فروغ غزنوں کی فتح

بیت المقدس کی بازیابی اور جمیع عالم کے مسلمانوں کی ترقیات دنیوی واخروی کے لئے دعا فرمائی ہر طرف سے آمین ثم آمین کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں فریاد و بکا کا فلک شگاف شور روحانی ابر سے قطرات کا ترشح کر رہا تھا خود حضرت کی آواز روتے روتے بھرا گئی تھی عجیب روحانی سماں بندھا ہوا تھا اس سے قبل بھی بارہا مجھے ختم بخاری شریف میں شرکت کا موقع ملا مگر اس طرح کا روحانی سماں اس سے پہلے کبھی مجھے نظر نہ آسکا نہ ہی کبھی میں نے حضرت کو اس طرح پھوٹ پھوٹ کر عام مجمع میں روتے دیکھا کیونکہ حضرت عام مجمع میں رونے کے عادی نہ تھے وہ اس کو مستحسن بھی نہ سمجھتے تھے مگر اس وقت حضرت کو بے اختیار رونا آرہا تھا اور ضبط کرنے کے باوجود چشمۂ تقویٰ و خشیت پھوٹ رہا تھا بے ساختہ لوٹے پھوٹے مگر با اثر جملے حضرت کی زبان سے صادر ہو رہے تھے اور تمام حاضرین کو بحرِ عشق باری میں ڈبو رہے تھے آخر میں حضرت نے ہچکیوں کے دوران دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کی بقا و ترقی کے لئے دعا کی۔

خاندان مدنی اور حضرت مولٰنا قاری محمد طیب صاحب کی ذات گرامی کے لئے مسلسل دعائیہ جملے زبان مبارک سے صدور کرتے رہے۔

اس روحانیت آمیز منظر کو دیکھکر میرے بہت سے ساتھیوں نے مجھسے کہاکہ آج کی دعا سے کچھ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ شاید بخاری شریف کے ختم کے موقع پر حضرت کی یہ آخری دعا ہو کیونکہ حضرت کے بہت سے جملے اسی جانب اشارہ کررہے تھے میں نے کہا مجھے بھی کچھ ایسا محسوس ہوا اس لئے خدا سے دعا کرنی چاہیئے حضرت کا سایہ قائم و دائم رہے چنانچہ ہم نے اجتماعی طور پر دعا بھی کی مگر قضاءِ الٰہی کے سامنے کسی کی حسرت اور خواہش کا کیا مقام ــــ حضرت رات کے وقت بہت علیل ہو گئے اور دوسرے دن بذریعہ کار مراد آباد کے لئے روانہ ہو گئے۔

اظہارِ ناامیدی

۷ار رمضان المبارک کو میرا مرادآباد جانا ہوا حضرت کی حالت بہت غیر تھی مگر اس کے باوجود وہ باہر بیٹھک میں تشریف لائے اور اپنی صحت سے متعلق بہت زیادہ ناامیدی ظاہر کی دعائے خیر کے لئے بھی فرمایا میں نے ہر قسم کا اطمینان دلانے کی کوشش کی مگر حضرت نے کُلُّ نفسٍ ذائقۃُ الموت پڑھ کر فرمایا کہ بھائی ہر شخص کو یہاں سے جانا ہے صرف آویر سویر کا فرق ہے مجھے اپنی زندگی کے آثار معلوم نہیں ہوتے خدا سے دعا کی ضرورت ہے

کہ خاتمہ ایمان پر ہو پھر حضرت نے میرے نجی حالات سے متعلق کچھ مشورے دئے اور مجھے رخصت فرما دیا میں اگرچہ وہاں سے چلا آیا مگر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں اپنا جسم لے کر لوٹ رہا ہوں روح کو حضرت کے چرنوں تلے دفن کر آیا ہوں خدا سے برابر حضرت کی صحت و عافیت اور خاتمہ بالایمان کے لئے دعا کرتا رہا یہاں تک کہ ہلال عید نظر آگیا میں تمام مسرتوں کو بالائے طاق رکھکر حضرت کے غم میں گھلتا رہا عید کے چند دن بعد میرا جی چاہتا ہوا مگر حضرت کی حالت اس وقت بھی دگرگوں تھی شوال کے آخر میں حضرت دیوبند کے لئے روانہ ہو گئے اور میں نے ہاپوڑ میں تدریس کا آغاز کر دیا لیکن میرا دل حضرت کے غم میں بیٹھا جاتا تھا اسی حالت میں مجھ پر مرض شدید کا حملہ ہوا یہاں تک کہ میں باہر سفر کرنے سے قاصر ہو گیا خطوط کے ذریعہ حضرت کی علالت کا علم ہوتا رہا حضرت تعطیل عید الاضحیٰ میں مرادآباد تشریف لے گئے وہاں سے مرض نے اس قدر شدت اختیار کی کہ حضرت پھر دیوبند آنے پر قادر نہ ہو سکے میں خود اپنے اندر اتنی ہمت نہ پاتا تھا کہ مرادآباد جاکر حضرت کی حالت دیکھ سکوں حضرت سے سلسلہ مراسلت جاری تھا اس کے ذریعہ کچھ علم ہو جاتا تھا ۳ محرم الحرام ۱۳۹۲ھ کو قبلہ والد صاحب مرادآباد تشریف لے گئے ان کے ذریعہ حالات کا علم ہوا اس کے ایک ہفتہ بعد حضرت مولانا سید حسن صاحب

چاندپوری بھی تشریف لے گئے بے تکلف ساتھی ہونے کی بنا پر مولانا موصوف نے کچھ ہمہ مذاق گفتگو کرنا چاہی مگر حضرت کی جانب سے کوئی جواب نہ مل سکا حضرت کی صحت سے مایوس ہوکر مولانا موصوف بھی واپس تشریف لے آئے اور ہمیں زیادہ سے زیادہ دعا کرنے کی تلقین کی

حضرت مولانا سید احمد صاحب ہاشمی کی مرادآباد روانگی

اس کے چند روز کے بعد اخبار الجمعیۃ میں ناظم جمعیۃ علماء ہند حضرت مولانا سید احمد صاحب ہاشمی کی اپیل نظروں سے گذری حضرت مولانا ہاشمی صاحب حکیم عبدالجلیل صاحب اور دیگر ارباب جمعیۃ کو ساتھ لیکر مرادآباد تشریف لے گئے تھے اور حضرت۔ فخرالاسلام کی خدمت میں حاضر ہوکر صحیح حالت کا جائزہ لینا چاہتے تھے مولانا نے حضرت کے معالجین سے بھی صلاح ومشورے کئے اور دہلی واپس آکر اپنے ایک بیان میں متعلقین جمعیۃ اور ارباب مدارس سے دعاء صحت کیلئے اپیل فرمائی اس اپیل کو دیکھ کر میرے رنج وغم میں مزید اضافہ ہوگیا اور مدرسہ میں روزانہ باقاعدہ حضرت کے لئے اجتماعی دعا کرانے لگا۔

وفات سے چند یوم پیشتر کا ایک مکتوب

حضرت فخر الاسلام نے اپنی وفات سے چند یوم پیشتر راقم الحروف کے پاس ایک مکتوب بھیجرروانہ کیا جس میں اپنے مرض کی تفصیل پیش کرتے ہوئے دعا کی ضرورت کا اظہار فرمایا مکتوب کے چند اقتباسات پیش کئے جارہے ہیں۔

از مراد آباد ۲۰ر مارچ ۷۲ء

عزیزم سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج شریف ـــــ آپ کا مکتوب مراد آباد پہونچا آپ کی صحت سے اطمینان ہوا اللہ تعالیٰ جلد مکمل صحت عطا فرمائے ـــــ
تمہارے والد صاحب کو خط لکھا تھا اس میں تمہاری خیریت بھی دریافت کی

تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ اگر آپ کو ملاقات
کرنی ہو تو جلد مراد آباد آئیں ——
لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خط پہونچا
نہیں یا قاری صاحب باہر ہیں کوئی جواب
نہیں آیا آجکل میری طبیعت زیادہ خراب
ہے جگر کام نہیں کر رہا ہے یرقان کا اثر
ہو گیا ہے کمزور بہت ہو گیا ہوں ——
دعا کی ضرورت ہے میں بھی دعا کرتا
ہوں —— والد صاحب سے سلام کہنا۔

مولنٰا فخر الدین بقلم اختر الاسلام

قفسِ عنصری سے روح کی پرواز اور اس کے بعد

مولٰنا محمد ابراہیم صاحب افریقی سے

یہ معلوم ہو کر از حد حیرت ہوئی کہ حضرت نے جس وقت داعیٔ اجل کو لبیک کہا اس وقت گلاب کا ایک سرخ پھول جو حضرت کے سرہانے رکھے ہوئے گملے میں کھل رہا تھا نور اً مرجھا گیا اور آسمانی فضا بھی اشک آلود نظر آنے لگی۔

۲۰/۲۱/ صفر سنہ ۱۳۹۲ھ ۵/۶/ اپریل سنہ ۱۹۷۲ء چہار شنبہ و پنجشنبہ کی درمیانی شب میں تقریباً گیارہ بجے حضرت کی روح مبارک قفس عنصری سے پرواز کر گئی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فوراً ہی بذریعہ فون دفتر جمعیۃ علماء ہند بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی اطلاع دی گئی ۶/اپریل کی صبح کو نکلنے والے اخبار میں خبر شائع کرا دی گئی ملک میں ہر طرف غم و ماتم کی صف بچھ گئی حزن و ملال کے بادل نے سرزمین ہند کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہر طرف سے لوگ ٹرینوں بسوں اور کاروں کے ذریعہ مرادآباد پہونچنے لگے دیوبند سے حضرت مولنا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم حضرت مولنا معراج الحق صاحب مولنا سید انظر شاہ صاحب کشمیری مولنا نسیم احمد صاحب اور دوسرے تمام اساتذہ و طلباء بسوں کے ذریعہ مرادآباد پہنچے میرٹھ و دہلی سے حضرت مولنا سید اسعد مدنی صاحب حضرت مولنا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی حضرت مولنا محمد میاں صاحب مولنا قاضی زین العابدین صاحب مولنا سید احمد حسنا ہاشمی حاجی عبدالعزیز صاحب الحاج محمد مسلم صاحب مولنا اخلاق حسین صاحب قاسمی شیخ عبدالحق صاحب پراچہ سید ارشاد علی صاحب اور حکیم عبدالجلیل صاحب وغیرہ نے شرکت کی حضرت مولنا سید اسعد مدنی صاحب راجستھان کے دورہ پر گئے ہوئے تھے اچانک ان کی طبیعت پر غیر معمولی اضطراب سوار ہوا وہ رات کو ہی وہاں سے روانہ ہو لئے خدا کے فضل سے گاڑیاں بھی یکے بعد دیگرے صحیح وقت پر ملتی گئیں سویرے ہی دفتر جمعیۃ علماء پہونچے وہاں سے فخرالاسلام کے وصال کی اطلاع پاتے ہی مرادآباد کے لئے روانہ ہو گئے

نماز جنازہ میں شرکت کا شرف بھی حاصل ہوگیا ـــــــ

صوبہ دہلی اور یو پی کی شاخوں کے صدر اور سکریٹری صاحبان بھی وقت پر مراد آباد پہونچ گئے دہرہ دون سہارن پور مظفر نگر بلند شہر رامپور اور بجنور کے اضلاع سے بھی کافی تعداد میں لوگ مراد آباد پہونچے

ہاپوڑ شہر میں جیسے ہی وصال کی اطلاع ملی ایصال ثواب کیا گیا تعزیتی جلسہ منعقد ہوا قاری عبد الرحمن صاحب مہتمم مدرسہ رحمانیہ مولانا ناظر حسین صاحب مہتمم مدرسہ خادم الاسلام مولانا احتشام احمد صاحب سیتاپوری اور راقم الحروف فوراً مراد آباد کے لئے روانہ ہوگئے ظہر کی نماز سے قبل ہی فخر الاسلام کے دولت کدہ پر پہونچ گئے وہاں سے ادارہ تعلیم و تربیت حفظ الرحمن اسکول پہونچے جہاں فخر الاسلام کا آخری دیدار کرایا جارہا تھا لوگ جوق در جوق ایک جانب سے آتے تھے اور دوسری جانب سے نکل جاتے تھے کفن سے سجا ہوا وہ خوبصورت چہرہ ایسا معلوم ہورہا تھا کہ جیسے انوار خداوندی کی اس مقدس چہرہ پر بارش ہورہی ہے ظہر کی نماز سے فراغت پاتے ہی نماز جنازہ کے لئے میدان میں جمع ہوگئے ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کے ہجوم پر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ کنٹرول کیا گیا۔

نماز جنازہ ٹھیک ½ ۲ بجے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب

مہتمم دارالعلوم دیوبند نے پڑھائی قبر میں جنازہ اتارنے والوں میں حضرت مولانا عبدالاحد صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند اور قاری فضل الرحمٰن صاحب شامل تھے۔

جنازہ کے آگے جمعیۃ علماء ہند کا جھنڈا لے جایا جا رہا تھا جو سرنگوں تھا اس منظر کو دیکھ کر ہزاروں مسلمانوں کے آنسوؤں سے زار وقطار رو رہے تھے۔

مرادآباد امروہہ سیوہارا امبر کچھا اور دہلی کے بہت سے مسلم محلوں میں دوکانیں بند رکھی گئیں جمعیۃ علماء کے دفاتر میں تعطیل رہی مدارس عربیہ بند رہے اور جمعیۃ علماء کا جھنڈا ہر جگہ سرنگوں کر دیا گیا۔

ملک کے کونے کونے میں تعزیتی جلسے منعقد کئے گئے قرآن خوانی اور ایصال ثواب کیا گیا نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔ تعزیتی قرار دادیں جمعیۃ علماء ہند دہلی اور دارالعلوم دیوبند کے دفاتر میں ارسال کی گئیں اور فضا کی ہر کروٹ سے اس شعر کی گنگناہٹ سنی جانے لگی ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

تعزیتی پیغامات

اور

سربراہان مملکت ہند کی غم آفریں تجاویز

حضرت فخر الاسلام کی وفات کے دوسرے ماہ ۵، ۶، ۷، مئی ۷۲ء کو کفایت نگر عید گاہ دلی میں جمعیۃ علماء ہند کا تیئسواں اجلاس عام منعقد ہوا جس کی پہلی نشست میں ملک کے ہر کونے سے شرکت کرنے والے مندوبین نے حضرت کے سانحہ وفات پر مندرجہ ذیل تعزیتی تجویز بالاتفاق پاس کی۔

حضرت فخر المحدثین رحمۃ اللہ علیہ

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس عام رنج وغم اور حزن والم کے شدید جذبات کے ساتھ حضرت فخر المحدثین مولانا سید فخر الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ صدر جمعیۃ علماء ہند کی وفات حسرت آیات پر اظہار تعزیت کرتا ہے۔

حضرت مولانا ہاپوڑ ضلع میرٹھ کے ممتاز خاندان سادات کے نونہال تھے آپ نے دار العلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ

اور حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے علوم کتاب و سنت کی تکمیل کی۔ تقریباً ۴۸ سال مراد آباد کی ممتاز دینی درسگاہ مدرسہ شاہی میں علوم کتاب و سنت کے چشمے بہائے پھر ایشیا کے سب سے بڑے علمی و دینی مرکز دارالعلوم دیوبند کی مسند درس حدیث و صدارت تدریس کو پندرہ سال تک رونق بخشی

اس زمانہ میں ہزار ہا تشنگان علم و معرفت آپ کے چشمہ فیض سے سیراب ہوکر ایشیاء و افریقہ کے ممالک میں پھیلے اور علوم اسلامیہ کی چمن بندی میں مصروف ہوئے۔

آپ نے اپنے بلند پایہ رفیق حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رح کے ساتھ حضرت شیخ الہند کی مالٹا سے واپسی کے بعد تحریک آزادی ہند میں حصہ لیا اور جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے ملت اسلامیہ کی گراں مایہ خدمات انجام دیں اور اس سلسلہ میں قید و بند کی سختیاں برداشت کیں۔

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ کو ہی جمعیۃ علماء ہند کا صدر منتخب کیا گیا۔ اور اس عظیم منصب کی ذمہ داری کو آپ نے باوجود خرابی صحت اور مشاغل علمیہ کے بڑی شان و شوکت وقار اور عزیمت و ہمت کے ساتھ انجام دیا۔ اس طرح آپ نے علم و عمل کے دونوں میدانوں میں اپنے اسلاف کرام کی روایات کو تابندہ و پائندہ رکھا۔

افسوس کہ آپ کے وصال سے حضرت شیخ الہند رح کی محفل کی آخری شمع بھی گل ہوگئی ہے جمعیۃ علماء ہند اپنے رہنما دارالعلوم دیوبند

اپنے سربراہ اور ملت اسلامیہ اپنی کشتی کے ناخدا سے محروم ہوگئی ہے — خدا سے دعا ہے کہ وہ حضرت کے اہل خاندان، اولاد و رفقاء ہزار ہا تلامذہ اور ہم متوسلین کو صبر و استقامت کے ساتھ اس غم کو برداشت کرنے کی توفیق عطا کرے، اور حضرت رح کی روح پر فتوح کو جنت الفردوس میں مقام اعلیٰ عطا کرے اور انبیاء و صالحین کا رفیق بنائے (آمین)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب

دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند

حضرت معظم مولانا سید فخرالدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت علماء ہند میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہے مولانا ایک جلیل القدر عالم فنون دینیہ کے ماہر اور خصوصیت سے صحیح بخاری کے نکتہ دان اساتذہ میں سے تھے، دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہو جانے کے بعد ابتداءً دارالعلوم ہی میں آپ کو تدریسی خدمات پر مامور کیا گیا تدریسی ملکہ حاصل ہو جانیکے بعد اکابر دارالعلوم نے آپ کو مدرسہ شاہی مرادآباد میں بحیثیت صدر المدرسین کے بھیجا اور آپ نے عمر کا ایک طویل حصہ وہاں رہ کر خدمت حدیث میں صرف فرمایا اور اطراف ملک میں آپ کے علم کا چرچا پھیل گیا، ۱۳۶۳ھ میں جب حضرت شیخ الاسلام

مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رح اسیر فرنگ ہوئے اور دو برس تک جیل میں رہے تو ان کی قائم مقامی کیلئے ذمہ داران دار العلوم کی نگاہ انتخاب حضرت ممدوح ہی پر پڑی اور آپ نے دار العلوم میں تشریف لاکر درس حدیث کو بحسن اسلوب سنبھال لیا، اور آخرکار ۱۳۷۷ھ میں حضرت شیخ الاسلام کے وصال کے بعد آپکو مستقلاً دار العلوم میں بلالیا گیا، ابتداءً آپ شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز رہے اور آخر کار دار العلوم کے صدر المدرسین قرار پائے۔

مشرق و مغرب کے ہزارہا طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا، اور سند و بیرون سند میں پھیل کر علمی خدمات انجام دیں۔

یہی وہ حضرات ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء دی ہے کہ اللہ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے میرا کلام سنا اور اسے دل میں جگہ دی اور پھر دوسروں کو پہونچایا، ظاہر ہے کہ جسے حق تعالیٰ کی طرف سے سنن نبوی کی خدمت ملی ہو اور جسے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی ہو اس سے زیادہ کون صاحب فضیلت ہو سکتا ہے اور اس سے بڑھکر فضیلت بھی اور کیا ہو سکتی ہے؟ اسلئے حضرت ممدوح کے تمام علمی محاسن و کمالات ایک طرف اور یہ فضیلت تنہا ایک طرف جو سارے ہی فضائل و کمالات کی اساس ہے۔

اس فضیلت کے سامنے آجانے کے بعد کمالات کلام مزید تفصیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی، حق تعالیٰ شانہٗ ان کی قبر کو نور سے بھرپور فرمائے اور علیین کے اعلیٰ مراتب عطا فرمائے۔ آمین۔

فضیلت مآب الشیخ صالح قزاز بالقابہ

ڈائرکٹر رابطہ عالم اسلامی (عرب)

شیخ صالح قزاز نے فخر الاسلام کی وفات پر حضرت مولنا سید اسعد مدنی کے نام ایک تعزیتی برقیہ روانہ کیا جس میں اپنی اور تمام حلقہ عالم اسلامی کی جانب سے مرحوم کی وفات پر شدید رنج و غم کا اظہار کیا برقیہ کا ایک اقتباس ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

صدر جمعیۃ علماء ہند شیخ الحدیث حضرت مولنا سید فخر الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر اپنے شدید کرب و اضطراب اور رنج و غم کا اظہار کرتا ہوں خداوند کریم حضرت مولنا فخر الدین صاحب پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے اور آپ کی روح کو جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے۔

جمعیۃ علماء ہند اور ہندوستان کے تمام علم دوستوں کے اس عظیم نقصان پر اپنی دلی ہمدردی کا یقین دلاتا ہوں۔

مرحوم کے جملہ پسماندگان پر صبر لازم ہے۔

زعمائے ملک اور ارباب جمعیت علمائے ہند

کی جانب سے مشترکہ خراج عقیدت

محترم فخر الاسلامؒ کی وفات پر ۱۰ اپریل ۷۲ء کو شب میں اردو پارک جامع مسجد دہلی کے وسیع میدان میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا جس میں مختلف وزراء ممبران پارلیمنٹ اور اکابرین ملت نے مشترکہ طور پر حضرت مرحوم کو مندرجہ ذیل الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔

دیوبند کی جس تحریک سے حضرت مولانا فخر الدین صاحب کا تعلق تھا اس نے ملک کی آزادی کا راستہ روشن کیا اس تحریک سے تعلق رکھنے والے حضرت مولانا فخر الدین جیسے وہ حضرات ہیں جنھوں نے نہ صرف یہ کہ آزادی کی راہیں روشن کیں بلکہ انھوں نے علم اور جذبہ کی بھی روشنی عطا کی انھیں شمعوں میں سے ایک اور شمع ہمارے درمیان سے اٹھ گئی اور اب ایک ایک کر کے یہ شمعیں بجھتی جا رہی ہیں۔

قدرت اور زمانہ کا دستور ہے کہ ایسا ہوتا ہے ایسی شکل میں اگر ان اسلاف کے علم اور جذبہ کی روشنی لیکر نئے نوجوان آگے نہیں آئے تو وہ راستے اندھیرے ہو جائیں گے جنھیں ان مجاہدوں نے روشن کیا تھا اور رہنمائی دی تھی اگر یہ المیہ ہوا تو لوگ بھٹک جائیں گے۔

ہم مولانا فخر الدین کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اور انھیں یاد کرتے ہیں کہ کس طرح انھوں نے قوم و ملک ہی نہیں بلکہ انسانیت کا بار اپنے اوپر لیا ان کا یہ عمل کسی لالچ کی بنیاد پر نہیں تھا اور نہ کسی دعوت پر وہ قافلہ جد و جہد و ایثار میں شریک ہوئے تھے وہ خود آگے آئے آگے بڑھے اور میدان میں اترے اسی دور میں انھوں نے جد و جہد کے میدان میں حوصلہ مندی سے قدم کو آگے بڑھایا جبکہ یہ خواب میں بھی نہیں تھا جن درختوں کیلئے وہ کوشش کر رہے ہیں ان درختوں پر کبھی پھل بھی آئے گا آج ہم کوشش کر رہے ہیں تو ہمارے سامنے درختوں پر پھل بھی لگے ہوئے ہیں اسلئے سینے پر ہاتھ رکھکر یہ کہنا مشکل ہے کہ آج کے دور میں ہم اپنے ان اسلاف کے راستے پر چل سکیں گے کیونکہ سرشاری تھی جذبہ پر وہ فائز تھے آج اسی سرشاری کو پیدا کرنا مشکل ہے۔ حالات آج مخالف جا رہے ہیں کیا ہم خدمت خلق اور ذاتی قربانی کے جذبہ کا ایک حصہ بھی اپنے اندر پیدا کر سکتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں قومیت کا جو آج تصور قائم ہے اس کی داغ بیل انھوں نے ڈالی تھی۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب، مولانا سید حسین احمد مدنی مولانا فخر الدین اور مولانا ابو الکلام اس کے معمار رہے۔ ہمارا سب سے بڑا خراج عقیدت مولانا فخر الدین صاحب کے لئے یہ ہے کہ ہم اس جذبۂ سرشار اور عمل کو اپنے لئے نمونۂ عمل بنائیں۔

عالیجناب مسٹر برکت اللہ خان صاحب وزیر اعلیٰ راجستھان

مجھے حضرت مولانا کے وصال کی خبر سنکر بہت دکھ ہوا کیونکہ ان کی وفات تمام برادران وطن بالخصوص مسلمانوں کے لئے عظیم حادثہ کا سبب ہے وہ بہت بڑے کمالات سے آراستہ تھے ایک انسان میں اس قدر کمالات کا پایا جانا بہت مشکل ہے۔
علم و مذہب کے پیشوا ہونے کے ساتھ وہ جنگ آزادی کے بھی عظیم رہنما تھے خدا ہم کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

پارلیمنٹ ہند کی لابی میں تعزیتی جلسہ

۲۶ اپریل ۷۲ء کو پارلیمنٹ کے ایوان میں حضرت فخر الاسلام کی وفات کے سلسلہ میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد کیا گیا جس میں موجودہ وزراء اور ممبران پارلیمنٹ نے مرحوم کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا۔
کچھ اقتباسات مختصراً ذیل میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

عالیجناب ایف ایچ محسن صاحب ڈپٹی منسٹر وزارت داخلہ ہند

حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب اخلاق کا نمونہ تھے ان کی رحلت ہم سب کیلئے ایک تکلیف دہ حادثہ ہے۔
وزیر موصوف نے حضرت مرحوم کے اس خطبۂ صدارت کو بھی داد تحسین سے نوازا جو اجلاس گیا میں پڑھا گیا تھا۔

محترمہ مسز سبھدرا جوشی صاحبہ ایم۔ پی

مولانا فخر الدین احمد اس نسل سے تعلق رکھتے تھے جنھوں نے جنگ آزادی کی رہنمائی کی ہے ان کا انتقال بڑے دکھ کی بات ہے

جناب مسٹر محمد ہاشم صاحب ایم پی

مولانا کی ذات گرامی علمی اور عملی میدان میں بہت بلند تھی مولانا کی وفات پورے ملک کے لئے نقصان ہے۔

محترم مسٹر آر کے سنہا صاحب سکریٹری کانگریس پارلیمنٹری پارٹی

مولانا فخر الدین صاحب جمعیۃ علماء ہند اور جنگ آزادی کے رہنما تھے ان کی وفات ہم سب کے لئے باعث افسوس ہے۔

ان حضرات کے علاوہ مولانا اسحاق سنبھلی مسٹر ضیا الرحمٰن انصاری ملکی راج صاحب اور مسٹر محمد یوسف انصاری اور دوسرے ممبران پارلیمنٹ نے بھی حضرت مرحوم کی وفات کو ملک و ملت کے عظیم المیہ سے تعبیر کر کے خراج عقیدت پیش کیا

اکابرین دارالعلوم دیوبند کا شدید اظہار رنج و غم

فخر الاسلام کے وصال کی خبر سنتے ہی دارالعلوم میں صف ماتم بچھ گئی تعطیل کا اعلان کر دیا گیا تمام اساتذہ و تلامذہ نودرہ میں قرآن خوانی اور ایصال ثواب کے لئے جمع ہو گئے حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب صدر المدرسین حضرت مولانا معراج الحق صاحب حضرت مولانا نصیر احمد صاحب نائبین مہتمم حضرت مولانا شریف الحسن صاحب شیخ الحدیث مولانا سید اختر حسین صاحب ناظم تعلیمات مولانا محمد حسین صاحب بہاری مولانا عبد الاحد صاحب مفتی شکیل احمد صاحب و دیگر اساتذہ نے مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا۔ طلباء دارالعلوم کی مشترکہ جماعت النادی الادبی کی جانب سے تعزیتی جلسہ منعقد کیا گیا۔

دارالعلوم کے عربی جریدہ دعوۃ الحق نے جس کو حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی کا شرف ادارت حاصل ہے شدید کرب و اضطراب کا اظہار اپنے صفحات میں

کیا جس کے چند اقتباسات کا ترجمہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے

رسالہ دعوۃ الحق طباعت کے قریب تھا کہ اچانک ہمیں المناک خبر موصول ہوئی جس سے دل میں سوزش ہونے لگی آنکھیں اشکبار ہوگئیں دار العلوم کی فضا مکدر ہوگئی آسمان علم پر غم کا بادل چھا گیا اور علم وفضل کا چمکتا ہوا ستارہ غروب ہوگیا۔
آہ! —— حضرت مولانا فخر الدین صاحب صدر المدرسین دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند راہئ ملک عدم ہوگئے۔

گذشتہ ۱۸ر اپریل کو مرادآباد —— سے ان کے وفات کی خبر تمام ہندوستان میں پھیل گئی جس سے دل دہل گئے جگر پاش پاش ہوگئے ——

یہ ایک ایسا زبردست حادثہ تھا جس سے ان کے شاگردوں اور دل دادوں کے قلوب پر گہرا اثر پڑا جو ہند اور بیرون ہند کے مختلف گوشوں میں پھیلے ہوئے ہیں ایک زمانہ دراز تک ان سے ہند و بیرون ہند کے تشنگان علم حدیث آکر اپنی علمی پیاس بجھاتے رہے —— وہ اپنے اسلاف کے پاکیزہ نمونہ تھے اور زندہ دل علماء دیوبند میں سے ایک تھے۔

انھوں نے آزادی وطن اور مذہب اسلام کیلئے مسلسل انتہائی کوشش اور بڑی جد وجہد کی انھوں نے دینی وعلمی

اس قدر خدمات انجام دی ہیں کہ ان کے استقصار سے زبان و قلم عاجز و درماندہ ہیں۔

اس روز دارالعلوم دیوبند اور اکثر مدارس عربیہ معلق رہے ایصال ثواب کیلئے کئی دن تک قرآن خوانی ہوتی رہی ہندوستان کے تمام گوشوں میں تعزیتی جلسے منعقد ہوئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرماکر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

دعوۃ الحق کے جملہ کارکنان خلوص دل سے مرحوم کی اولاد کے ساتھ غم و اندوہ میں برابر کے شریک ہیں اور انکیلئے صبر و ضبط کی تلقین کرتے ہیں۔

جملہ مراکز اسلامی کا اظہارِ الم

فخر الاسلام کی وفات کا سانحہ تمام علمی و سیاسی حلقوں کے لئے باعث تشویش تھا چنانچہ سیاسی دنیا کے ساتھ علمی دنیا نے بھی چاروں طرف مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے علاوہ ندوۃ العلماء لکھنؤ سے بھی تعزیتی اطلاعات موصول ہوئیں طلباء کی مختلف جماعتوں کی جانب سے مرحوم کو ایصال ثواب کیا گیا اور آپ کے قومی اور ملی کارناموں پر روشنی ڈالی گئی۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے آپکی علمی و سیاسی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے خراج عقید

پیش کیا۔ مدرسہ شاہی مراد آباد میں خبر وصال سنتے ہی غم کی
گھٹا چھا گئی فوراً جلسہ تعزیتی منعقد کیا گیا جس میں حضرت مولانا
عبدالجبار صاحب شیخ الحدیث حضرت مولانا الغفار الحق صاحب
مہتمم مولانا منظور حسین صاحب قاسمی نائب مہتمم حضرت مولانا سید
واحد رضا صاحب صدر مفتی اور مولانا قاری محمد کامل صاحب نے
مرحوم کی قومی ملی اور ملکی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے
خراج عقیدت پیش کیا تین یوم تک قرآن خوانی ہوتی رہی۔
مدرسہ امینیہ دہلی میں قرآن خوانی اور ایصال ثواب کے علاوہ
حضرت مولانا مشہود الحسن صاحب مولانا جمیل الرحمٰن صاحب
و مولانا نفیس الرحمٰن صاحب نبیرگان مفتی اعظم ہند مولانا کفایت اللہ علیہ الرحمۃ
و دیگر اساتذہ و طلباء نے مرحوم کی خدمات کو سراہا۔
مدرسہ عبدالرب دہلی اور مدرسہ حسین بخش میں بھی مرحوم
کے لئے ایصال ثواب اور تعزیتی جلسہ ہوا۔
جامعہ حسینیہ راندیر میں جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت علامہ
الحاج احمد اللہ صاحب کی زیر صدارت تعزیتی جلسہ منعقد ہوا
جس میں صدر محترم نے مرحوم کی وسیع تر خدمات پر روشنی
ڈالی کئی دن تک ایصال ثواب کا سلسلہ جاری رہا۔ مدرسہ
اسلامیہ گلزار حسینیہ اجراڑہ کاشف العلوم چھٹمل پور مدرسہ
مرادیہ مظفرنگر جوہر العلوم کھیکڑہ اعزاز العلوم ویٹ مدرسہ
رحیمیہ بجنور وغیرہ سے بھی تعزیتی جلسوں کی اطلاع ملی ہے۔
مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار میرٹھ میں حضرت مولانا ریاست علی صاحب

بجنوری استاذ دار العلوم دیوبند کی زیر صدارت ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا جس میں مولانا لقمان الحق صاحب فاروقی اور مولانا جمیل احمد صاحب وغیرہ نے مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا ایصال ثواب بھی کیا گیا ان مدارس کے علاوہ ہندوستان کے سینکڑوں علمی مراکز میں تعزیتی جلسے ہوئے اگر صفحات نے اجازت دی تو انشاء اللہ کتاب کے آخر میں ان کے اسماء درج کئے جائیں گے۔

تعزیتی تاثرات

یوں تو ملک کی تمام مقتدر اور صاحب کمال شخصیتوں نے فخر الاسلام کی وفات پر تعزیتی پیغامات ارسال کئے ہیں جن کا صفحہ قرطاس پر لانا ناممکن ہے تاہم چند تعزیتی تاثرات بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔

شیخ صدر جمعیۃ علماء ہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی ایم پی

اس دنیا میں کوئی بھی ہمیشہ رہنے کیلئے نہیں آیا جو یہاں آیا اسے جانا ہے اور جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے لیکن جانے اور جانے والوں کی نوعیت میں فرق ہوتا ہے ایسے بھی ہیں کہ ان کے جانے کو

چند ہی لوگ محسوس کرتے ہیں اور ایسے بھی ہیں کہ سینکڑوں اور ہزاروں لوگ ان کی جدائی کو محسوس اور غم واندوہ کرتے ہیں۔

حضرت مولانا کا تعلق اس دوسرے طبقہ کی شخصیتوں سے تھا وہ ایک عالم تھے ایک عالم کی موت حقیقت میں عالم کی موت ہے وہ خود ہنستے ہوئے تشریف لے گئے لیکن ہم سب کو روتا ہوا چھوڑ گئے آج ہم سب ان کی جدائی محسوس کر رہے ہیں یہ غم ناقابل تلافی ہے ان کی جدائی کو بہت سے ادارے ان کے ہزاروں شاگرد اور دوسرے لوگ محسوس کر رہے ہیں۔

نزاکت مزاج اور بڑی عمر کے باوجود وہ روزانہ گھنٹوں درس حدیث دیتے تھے ان کی رحلت ہماری جماعت کے لئے بہت بڑا نقصان ہے ـــــ مولانا کی زندگی کے بڑے حصے کے ساتھ جس طرح کی مشغولیتیں رہی ہیں اس سے امید ہے مولانا اللہ کی رحمتوں سے نوازے جائیں گے ـــــ ایک اور اکابر کی عظیم الشان یادگار چلی گئی اتنی علمی مشغولیتوں کے باوجود ان کی سیاسی رائے بھی سب سے زیادہ پختہ اور دوراندیشی اور بصیرت کی حامل ہوتی تھی ان کی رائے کبھی کسی معاملہ میں متزلزل نہیں ہوئی مرحوم بے پناہ خوبیوں کے مالک تھے درس حدیث کے ساتھ ـــــ روزانہ قرآن کریم اور کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہتے تھے مولانا رات دن کے اوقات میں مشکل سے دو ڈھائی گھنٹہ سوتے تھے ہم سب اور ہماری

جماعت اور ہمارے ادارے آپ کے اٹھ جانے سے مغموم ہیں۔
اللہ تعالیٰ جمعیۃ علماء ہند کو مسلمانوں کو اور اداروں کو
نعم البدل عطا فرمائے۔

حضرت مولانا اسحاق سنبھلی
ممبر پارلیمنٹ

حضرت مولانا مرحوم ایک جید عالم ایک مجاہد اور ایک جنگ آزادی کے رہنما تھے وہ جمعیۃ علماء ہند کے صدر بھی تھے اور صرف صدر نہیں بلکہ اس کی روح رواں تھے اس ضعیفی کے عالم میں بھی انھوں نے ملک و قوم کی رہنمائی کی اور ملک کی زندگی میں جمعیۃ علماء جیسی تاریخ ساز جماعت کو ایک نیا موڑ دینے میں نمایاں طور پر حصہ لیا جسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔
حضرت مولانا فخر الدین کی وفات ملک و قوم کا بڑا نقصان ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اس کا نعم البدل عطا فرمائے۔

محترمہ مسز سبھدرا جوشی صاحبہ
ممبر پارلیمنٹ

حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب ایک مذہبی رہنما ہی نہیں بلکہ ایک سیاسی لیڈر بھی تھے انھوں نے آزادی کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ہندوستانی قومیت کے تصور کو بڑھا دیا ان کی رحلت ملک و قوم کا بہت بڑا نقصان ہے۔
انھیں صحیح خراج عقیدت یہ ہے کہ ہم ان کی تعلیمات پر عمل کریں۔

محترم ملکی راج صاحب ممبر پارلیمنٹ

میرا تعلق سہارنپور سے ہے اور دیوبند سہارنپور میں ہے جہاں کے بڑے مدرسہ میں حضرت مولٰنا فخرالدین صاحب بڑے مدرس تھے میں انھیں اسلئے جانتا ہوں کہ ان کا قومی تحریکات سے تعلق تھا وہ بڑے فرشتہ سیرت انسان تھے پارلیمنٹ کا ممبر بننے کے بعد میں دارالعلوم گیا وہاں حضرت مولٰنا سے ملنے کا اتفاق ہوا وہ جس ڈھنگ سے اپنے شاگردوں کو درس دے رہے تھے اس سے میں بڑا متاثر ہوا اس ادارہ میں جس سادہ مگر پروقار ڈھنگ پر تعلیم دیجاتی ہے وہ واقعی باقی ملک کے لئے ایک سبق ہے یہاں سچ پوچھئے تو سادگی شرافت اور انسانیت کا سبق پڑھایا جاتا ہے۔

اس تعلیمی ادارے میں پڑھانے والے حضرت مولٰنا سید فخرالدین نے اپنے علم کی روشنی پھیلائی انھوں نے قومیت کا سبق دیا ہے ہمیں چاہیئے کہ ہم ان کی تعلیمات پر عمل کریں اور قوم و ملک کی جو خدمت انھوں نے کی ایسی ہی خدمت ہم بھی کریں۔

یہی ان کو بڑا خراج عقیدت ہوگا۔

جناب مسٹر بلراج کھنہ صاحب

۱۸ اپریل ۷۲ء کو دلی میں میونسپل کارپوریشن کی میٹنگ میں فخر الاماثل حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب کی حیات مقدسہ پر تقریر کرتے ہوئے مسٹر بلراج کھنہ نے ان کی وفات کو ملک کے لئے ایک بڑا نقصان قرار دیتے ہوئے ایک تعزیتی قرارداد پیش کی جسکی شری کشوری لال لیڈر کانگریس پارٹی مسٹر رادھاکشن اور ڈاکٹر عباس ملک وغیرہ نے تائید کی جن سنگھ پارٹی کے سربراہ مسٹر کیدار ناتھ ساہنی نے مولانا کی جنگ آزادی کا تذکرہ کرتے ہوئے درج ذیل خراج عقیدت پیش کیا۔

جناب مسٹر کیدار ناتھ ساہنی سربراہ جن سنگھ پارٹی وممبر دلی کارپوریشن

حضرت مولانا فخر الدین صاحب ان مجاہدین میں سے تھے جن کے بتائے ہوئے راستوں پر ہم کو چلنا چاہیئے — تعزیتی قرارداد کے بعد مولانا کے سوگ میں اس دن کی کارروائی ملتوی کردی گئی۔

جناب ڈاکٹر محمد احمد صاحب ممبر میٹرو پولیٹن کونسل و نائب صدر انڈین یونین مسلم لیگ دہلی پردیش

حضرت مولانا فخر الدین صاحب کے انتقال پر ملال پر انڈین یونین مسلم لیگ کی جانب سے دہلی میں ایک تعزیتی جلسہ زیر صدارت ڈاکٹر محمد احمد صاحب منعقد ہوا صدر محترم نے

حضرت شیخ الحدیث کی وفات کو ملک اور قوم کے نقصان عظیم سے تعبیر کیا اور اپنے گہرے دکھ اور رنج کا اظہار کرتے ہوئے مولانا نے مرحوم کی روح طیبہ کے لئے ایصال ثواب کیا۔

جناب محترم حیات اللہ صاحب انصاری
ایڈیٹر روزنامہ قومی آواز لکھنؤ

حضرت مولانا فخر الدین احمد کی وفات کو ایک نسل کا خاتمہ کہا جا سکتا ہے انھوں نے بچاسی سال کی عمر پائی اور وہ اس نسل سے تعلق رکھتے تھے جس نے جنگ آزادی کی رہنمائی کی تحریک آزادی کے آخری دور میں جب مولانا حسین احمد مدنی کو پہلے چھ ماہ قید بامشقت کی سزا ہوئی اور اس کے بعد غیر معینہ مدت کے لئے نظر بند کر دیا گیا تو انھوں نے دیوبند میں درس حدیث کی ذمہ داری عارضی طور پر مولانا فخر الدین کے سپرد کر دی اسی موقعہ پر مولانا حسین احمد نے اپنے جانشین کے لئے فخر وطن، فخر ملت، فخر دین، وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے تھے ۱۹۵۶ء میں مولانا حسین احمد نے اپنی بیماری کے زمانہ میں پھر فخر وطن فخر ملت کو طلب کیا اور مولانا کے انتقال کے بعد یہ عارضی بندوبست مستقل بن گیا۔

مراد آباد کے مدرسہ شاہی اور دار العلوم دیوبند میں درس حدیث دینے کے ساتھ ساتھ مولانا فخر الدین ملک کی سیاست سے بھی برابر دلچسپی لیتے رہے وطن کی خدمت

انھوں نے جمعیۃ علماء ہند کی معرفت کی اور جمعیۃ کی مختلف کمیٹیوں میں شامل رہنے اور اس کی تنظیمی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے بعد پہلے اس کے نائب صدر اور پھر مولانا احمد سعید کے انتقال پر صدر منتخب ہوئے وطن ملت اور دین کی خدمت کا جذبہ انھیں بزرگوں سے ترکے میں ملا تھا اسے انھوں نے اور زیادہ اچھی حالت میں نئی نسل کے لئے چھوڑا ہے ان کی وفات سے جمعیۃ اور دارالعلوم ہی کو نہیں بلکہ پورے ملک کو ایسا نقصان پہونچا ہے جس کی تلافی بہت دشوار ہے۔

شاعر انقلاب علامہ انور صابری صاحب

جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ انگریز کے مظالم اور خود اپنوں ہی کے تشدد سے بھری پڑی ہے حضرت مولانا سید فخرالدین جیسی بزرگ ہستیوں میں ہمیں اسلاف کی شکلیں نظر آتی تھیں یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم ایسے وقت ان سے محروم ہو گئے ہیں جب ان کی ضرورت زیادہ تھی۔

شاید قدرت کو ہمارا امتحان لینا اور یہ دیکھنا مقصود ہے کہ ہم اپنی تنہائی کے باوجود اپنی اجتماعیت کو برقرار رکھتے ہیں کہ نہیں اس وقت صورت یہ ہے کہ ہر طرف خلا ہی خلا نظر آتا ہے یہ خلا پورا ہوگا کہ نہیں یہ تو مشیت ایزدی جانے لیکن ہم اپنی بدقسمتی کو ضرور روتے ہیں۔

فخر المحدثین حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی
رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند

حضرت صدر جمعیۃ علماء ہند کے انتقال کی خبر سے زبردست دھکا لگا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ان کے جملہ متعلقین کو صبر جمیل کی دولت سے نوازے جمعیۃ علماء ہند کیلئے یہ بڑا سخت سانحہ ہے اللہ تعالیٰ ہماری بہتر دستگیری فرمائے۔

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی
صدر آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت

حضرت مولانا سید فخرالدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے جو جگہ خالی ہوئی ہے اس کا پر ہونا آسان نہیں ہے مختلف حیثیتوں سے مولانا کی شخصیت غیر معمولی تھی وہ ان ارباب عزیمت علماء حق میں تھے جنھوں نے نہ صرف مسند درس و تدریس کو زینت بخشی بلکہ اعلائے کلمۃ الحق کی پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں اور دفن کے افتراد جبر و قہر سے زبردست ٹکر لی سچ تو یہ ہے کہ ان کی رحلت سے دارالعلوم دیوبند اور جمیعۃ علماء ہند دونوں کو زبردست نقصان پہونچا ہے اور دارالعلوم دیوبند تو خاص طور پر بے سہارا ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ انکے درجات بلند فرمائے۔

حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری

استاذ حدیث دار العلوم دیوبند

آخر کار بچاسی سال آسمان فضل و کمال پر مطلع دین و دانش سے ابھرنے والا ایک لمبی سبک خرامی کے بعد موت کے مغرب میں مہر منیر ہمیشہ کے لئے روپوش ہوگیا۔

وہی مولانا فخر الدین المغفور جن کی زبان نصف صدی سے زائد۔ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ بخاری شریف کی تدریس و تعلیم میں یمن مشغول رہی اور جنھوں نے ایک جانب کاروان علم کے قافلہ سالار کی حیثیت سے اور دوسری طرف ملی قیادت کے ایک کامیاب راہنما کے روپ میں طویل وقت گذار کر ہم سے جدا ہو گئے

مولانا فخر الدین کا حادثہ قحط الرجال کے منحوس دور میں اس طرح پیش آیا کہ ان کا واقعی جانشین کمیاب ہی نہیں بلکہ نایاب ہے۔

فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا قمر الدین احمد صاحب گورکھپوری استاذ فقہ و تفسیر دار العلوم دیوبند

ان نفوس ذکیہ میں سے تھے جن کی مثال صدیوں میں ظہور پذیر ہوتی ہے آپ کا حافظ اتنا مضبوط تھا کہ خود فرماتے تھے۔

کہ خاتم المحدثین حضرت العلامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو میرے حافظہ پر اعتماد تھا علم حدیث میں خصوصی طور پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بعض طلبہ حدیث کو مراد آباد بھیجتے تھے مدرسہ شاہی میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث تھے ابتدا ہی سے علم وافر قدرت نے آپ کو عطا فرمایا تھا حضرت نے آپ سے خود سنا کہ دار العلوم دیوبند میں میرا داخلہ امتحان حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے لیا امتحان داخلہ سے فراغت کے وقت عصر کی اذان ہو گئی حضرت شیخ الہند نماز عصر کیلئے اٹھنے لگے دیوان اللہ دیا دیوبند ہی کے رہنے والے دار العلوم کے مخلص خدام میں سے تھے انھوں نے حضرت شیخ الہند سے معلوم کیا کہ حضرت آپ نے امتحان دینے والے مولوی صاحب کا نمبر نہیں تجویز فرمایا۔ حضرت شیخ الہند نے فرمایا دیوان جی انکے نمبرات امتیازی ہیں اس آخری جملہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھیں پرنم ہو گئیں اور سکوت طاری ہو گیا۔

اپنے زمانہ طالب علمی میں اول نمبر سے دورۂ حدیث شریف میں کامیاب ہوئے تھے اور انعام میں حاصل کردہ جیبی گھڑی اور رفاقۃ ہیں کو تا حیات محفوظ رکھا غرضیکہ علم منقول و معقول میں امامت کا مقام رکھتے تھے بخاری شریف کے درس میں یکتائے روزگار تھے

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ و عینی و قسطلانی کی آراء بیان کرتے

کے بعد خود اپنی رائے بیان فرمایا کرتے تھے جو اس دور میں بالکل عنقا ہے اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے

حضرت مولانا مفتی شکیل احمد صاحب سیتاپوری
استاذ دارالعلوم دیوبند

شیخ روزگار کے سانحۂ ارتحال نے علم و ادب کے تمام عالموں کو یتیم کر دیا ان کی رحلت آخرت سے دنیائے علوم حدیث ایک عبقری الذہن محدث سے اور دنیائے اصول وفقہ ایک پختہ کار اصولی سے اور دنیائے زبان ایک شگفتہ و شیریں بیان سے اور دنیائے درس و تدریس ایک سہل البیان اور پر وقار و عظیم الشان مدرس سے محروم ہو گئی ہے۔

رہ رہ کر یہ شعر زبان پر آتا ہے اور آنکھوں سے خون کے آنسو رلاتا ہے۔

کون سا مست گیا روٹھ کے میخانے سے
ہائے اڑی جاتی ہے ساقی نرے ہاتھوں سے

عالیجناب مولانا ملک مظفر حسین صاحب رحمانی
پرنسپل گورنمنٹ ٹریننگ کالج سردھنہ میرٹھ

فخر الاسلام حضرت مولانا فخر الدین صاحب ملک و ملت کے سچے خادم اور سرفروش مجاہد تھے انکی ایثار پسندانہ و مخلصانہ قربانیاں بقائے کائنات تک پائندہ و تابندہ رہیں گی ان کے لائحہ عمل نصب العین اور زندگی کے گرانقدر کارناموں سے ہمیں سبق حاصل کر کے قومی ترقیات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیئے۔

حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی

امیر شریعت بہار و اڑیسہ و رکن شوریٰ دار العلوم دیوبند

حضرت مولانا فخر الدین علیہ الرحمۃ کی وفات کا سانحہ مسلمانوں کے لئے عظیم سانحہ ہے۔ اب ایسے لوگ کہاں ملیں گے اس عمر میں ان کا حافظہ بہت محفوظ تھا اور درسیات پر بہترین گرفت تھی — وہ جید عالم دین بہترین محدث شفیق استاذ اور غیر معمولی قسم کے مدرس تھے انھوں نے جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے ملک و قوم کی خدمات انجام دیں انھوں نے اپنی یادگار کے طور پر فن حدیث پر کئی کتابیں بھی لکھیں ہیں مگر سب سے بڑی اولاد ان کی روحانی اولاد ہے جو علماء کی شکل میں ہندوستان کے ہر گوشہ میں علم دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

حضرت مولانا ابو اللیث صاحب

سابق امیر جماعت اسلامی ہند

حضرت شیخ الحدیث مولانا فخر الدین احمد صاحب کا سانحہ ارتحال صرف جمعیۃ علماء ہند یا دار العلوم دیوبند کا نہیں بلکہ پوری ملت کا ایک حادثہ ہے جس پر جتنا بھی صدمہ ہو کم ہے منتجرا اور صاحب تقویٰ اٹھتے جا رہے ہیں جن کی جگہ پر کرنے والا کوئی نہیں — اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا افتخار احمد صاحب خطیب

جامع مسجد باندرہ شہر بمبئی

حضرت مولانا سید فخر الدین احمد کا شمار بہترین عالموں میں تھا وہ اپنی وضع کے بڑے پابند تھے بڑی نازک طبع پائی تھی لیکن ڈھاکہ کی چکن کے بعد بڑے شوق سے کھدر پہنا یہ آزادی کی تحریک سے ان کا لگاؤ تھا انھوں نے قومی تحریک میں بھرپور حصّہ لیا اور دینی میدان میں حضرت شیخ الاسلام کے بعد شیخ الحدیث کا جو منصب خالی نظر آتا تھا اس پر فائز ہوئے اور اپنی ذمہ داریوں سے بہ حسن و خوبی عہدہ برآ ہوئے جمعیۃ کی صدارت کا منصب بھی انھیں کو سونپا گیا۔

حضرت مولانا حمید الدین صاحب انصاری

صدر جمعیتہ علماء مدھیہ پردیش

حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب ایک نہایت درجہ مخلص اور نیک بزرگ انسان تھے ان کی ساری زندگی علم دین کی خدمت اور ملک و ملت کی خدمت میں گذری۔ آپ نے جو شاندار خدمات انجام دی ہیں ان کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت مولانا حکیم اللہ صاحب

ناظم اعلیٰ ضلع جمعیۃ و سکریٹری دینی تعلیمی بورڈ اتر پردیش

مولانا فخر الدین کی وفات سے دار العلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کو جو نقصان پہونچا ہے اس کا پورا ہونا مشکل ہے

حضرت مولانا کو احقر نے سنہ ۱۹۳۰ء سے دیکھا ہے وہ متعدد بار ریلدوائی بھی آئے اور چار سال تک احقر مدرسہ شاہی میں حضرت کی صحبت و خدمت میں رہا اور حضرت سے دینی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ سیاسی سبق بھی حاصل کیا۔ حضرت مولانا نے نازک مزاجی کے باوجود ایک طرف مدرسہ شاہی اور دار العلوم میں درس حدیث دیا دوسری طرف ہندوستان کی تحریک آزادی میں حصہ لیا نیز جمعیۃ علماء ہند کے صدر کی حیثیت سے اخیر وقت تک جماعتی فرائض بھی انجام دیئے۔

جناب حکیم مشتاق احمد صاحب کٹھوری

حضرت مولانا سید جناب فخر الدین احمد صاحب رح شیخ الاسلام کے جانشین خاص تھے آپ ہی کو یہ شرف بھی حاصل رہا کہ شیخ الاسلام کے زمانہ اسیری فرنگ میں دار العلوم دیوبند کی مسند صدارت پر جلوہ افگن رہتے جس کی وجہ سے ہر طرف اطمینان کی فضا قائم رہی اور درس حدیث پاک حاصل کرنے والے طلباء میں وہ عظمت حاصل رہی جو کبھی متقدمین کو حاصل تھی اس ضعف و ناتوانی کے عالم میں

درس حدیث پاک کے وقت آپ کی آواز میں جو طاقت و قوت کا اظہار ہوتا تھا اس سے سماعت کرنے والے محو حیرت ہو جاتے تھے۔

بہر کیف حضرت کی وفات سے ارض علم میں ہر طرف رنج وغم کا اظہار ہو رہا ہے اور بلا شک اس قحط الرجال میں حضرت کا ہم سے جدا ہونا بڑی بدنصیبی ہے مگر مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔

مسٹر محمد اکرام صاحب جنرل سکریٹری کانگریس کیمٹی مراداباد

حضرت مولنا مرحوم ایک جید عالم تھے تو دوسری طرف آزادیٔ ہند کے بے مثال رہنما بھی تھے آپ کی رہنمائی میں مراداباد کے بھی بیشمار لوگوں بالخصوص مسلمانوں نے تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔

مولنا حکیم سید ظہیر احمد صاحب برکاتی صدر جمعیۃ علماء راجستھان

حضرت مولنا کی وفات پر شدید رنج وغم چھایا ہوا ہے حضرت مولنا کی وفات نہ صرف جمعیۃ علماء ہند یا دارالعلوم بلکہ پوری ملت اسلامیہ کیلئے ایک عظیم سانحہ ہے۔

مسٹر رفیع الدین صاحب ایم اے ایل ایل بی (وائیل) آگرہ

حضرت الحاج مولنا قاری فخرالدین صاحب کا سانحۂ وفات ایک افسوسناک حادثہ ہے مرحوم بیشمار خوبیوں سے مالا مال تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور ہمیں انکا نعم البدل عطا فرمائے۔

مسٹر حبیب الرحمٰن خاں ایڈوکیٹ صدر جمعیۃ علماء ٹونک

فخر الاماثل حضرت مولنا فخر الدین صاحبؒ کی شخصیت علمی اور دینی اعتبار سے مایۂ ناز شخصیت تھی آپ علم و فضل اور زہد و تقوٰی کے اعتبار سے خاتم العلماء قرار دیئے جا سکتے ہیں جمعیۃ علماء ہند کی صدارت سے ایسی عظیم شخصیت کا جدا ہو جانا شدید رنج و الم کا موجب ہے۔

مسٹر سبحان الحق صاحب فاروقی
ایم اے مدراس

مولنا فخر الدین دین و سیاست کے مایۂ ناز درِ یکتا تھے جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ سیاست کے ایک زرّیں باب کا اٹھ جانا ہم سب کے لئے قابل افسوس سانحہ ہے۔

حضرت مولنا قاضی احمد حسین صاحب
صدر جمعیۃ علماء کانپور

حضرت مولنا مرحوم محبوب علمی رہنما تھے ان کا سانحہ ارتحال ہندو بیرون ہند کیلئے گہرے دکھ کی بات ہے مرحوم کی تابناک زندگی میں ملک و ملت کیلئے بیشمار قربانیاں ملتی ہیں۔

مولنا عبدالغنی صاحب ایڈوکیٹ
صدر جمعیۃ علماء آندھراپردیش

صدر جمعیۃ علماء ہند حضرت مولنا فخر الدین صاحب کا سانحۂ وفات۔ ملت مسلمہ کا عظیم نقصان ہے مرحوم کی علمی و دینی اور سیاسی خدمات کا باب نہایت وسیع ہے۔

الحاج حکیم حامد علی صاحب
صدر جمعیۃ علماء شہر بریلی

مولنا موصوف کی وفات پر شدید رنج و غم کا اظہار کرتا ہوں ایسے رہنماؤں کا اٹھ جانا ہماری بدقسمتی ہے خدا ہمیں اس کا بدل عطا فرمائے۔

منظوم خراجِ عقیدت

از شاعرِ حریت جناب علامہ انور صابری صاحب

نظر میں سوز کا طوفاں ابھر کے آیا ہے ؛ جگر کا خون سرِ مژگاں ابھر کے آیا ہے
خراشِ ماتمِ شیخ الحدیث کی خاطر ؛ حدیثِ درد کا عنواں ابھر کے آیا ہے
جماعت علماء کے قلوب غمگین ہیں ؛ شعورِ درد بداماں ابھر کے آیا ہے
سکونِ خاطرِ ارباب دیں مٹانے کو ؛ ملال و رنج کا ساماں ابھر کے آیا ہے
وطن کے رہبر راہ وفا کو موت آئی ؛ ملمبار شکر و نظر رہنما کو موت آئی
پڑا جو سخت مصیبت کا وقت ملت پر ؛ امام جادۂ صدق و وفا کو موت آئی
سفینے جس کے سہارے پہ پار ہوتے تھے ؛ ہزار حیف اسی ناخدا کو موت آئی
مقام قاسم و محمود جس نے پایا تھا ؛ اسی زعیم و ،،حسین،، آشنا کو موت آئی
نیا سفر ہے نئی منزل حیات اے دوست ؛ قدم قدم کو میسر نہیں ثبات اے دوست
فضا فضا ہے حوادث پسند و شر خیز ؛ بتائے کون ہمیں جادۂ نجات اے دوست
امانت شیخ کو بیں جس نے پائی تھی ؛ کہاں گیا ہے وہ شیخ فلک صفات اے دوست
خدا کرے کوئی اسکا جواب مل جائے ؛ اسی تلاش میں ہے اپنی کائنات اے دوست
اسی کے نقشِ کفِ پا تلاش کر کے چلو ؛ عروج ہوش کی دنیا تلاش کر کے چلو
ہر ایک دل میں ہے آہنگ ،،طلب،، فخر الدین،، ؛ قرونِ خیر کا رستہ تلاش کر کے چلو

خدا کی رحمت کامل نواز دے اس کو
وصال قرب امیرِ حجاز دے اس کو

آہ یا تذکرۂ رحلت

مولانا السید فخر الدین صدر المدرسین دیوبند علیہ الرحمۃ الفتاح الحکیم

۲ ۷ ۹ ۱ ۶ ۲ ۹ ۱۳ھ

صدر جمعیۃ علماء ہند رحمۃ اللہ الوہاب

۲ ۹ ۳ ۱ ھ

ازقلم زیبا محمد عثمان اعظمی

۲ ۷ ۹ ۱

صدرِ جمعیۃ و شیخ دارالعلوم — چل بسا دارِ فنا سے ملکِ عدم

موت عالم نہیں موت عالم ہے یہ — ہر طرف بچھ گئی ہے صفِ رنج و غم

اک بیک چھن گئی ہے متاعِ سکوں — قلب گریاں ہوا، ہو گئی چشم نم

خرمنِ صبر پر گر گئی برقِ غم — ہو گئے خیمہ زن حزن و رنج و الم

فخرِ دیں بیگماں لائقِ فخر تھا — چومتی تھی زمیں جس کے نقشِ قدم

نور چہرے سے تیرے برستا رہا — علم و تقوی، سیاست ہر اک کا تھا علم

درس علم نبی میں کٹی زندگی — نقش، لوحِ زماں پر ترا مرتسم

شکر و شہد سے عذب تر بولیاں — نطق درِ عدن، علم پر از حکم

جو خلا تیری رحلت سے پیدا ہوا — آسماں کر دے پر ہے کہاں اس میں دم

مشغلہ درس دیں قال قال الرسول — تجھ پہ ہر دم ہو خالق کا لطف و کرم

کر سکیں کیا کمالات تیرے بیاں — شرحِ اوصاف سے ہے یہ عاجز قلم

نورِ رحمت سے پر قبر ہو ہر گھڑی — ہر طرح کی تجھے عافیت ہو بہم

ذیل کے ہر دو مصرع میں سالِ وفات — خوب عاصی نے یوں کر دیا ہے رقم

سایۂ فضلِ رحمت ہو رحمان کا — قبر میں بارشِ عیش ہو دم بدم

۲ ۷ ۹ ۱ ۶ ۲ ۹ ۱۳ھ

آہ ہے بیدل محمد عثمان عاصی معروفی

۲ ۹ ۳ ۱ ھ

نوحۂ درد و غم

نتیجۂ فکر:- مولانا مطیع اللہ صاحب قاسمی استاذ عربی جامعہ حمائیہ پلاپور

اے شبنم گلستاں ہے یہ ویراں تمہارے بعد ؛ بے نور ہے یہ بزم شبستاں تمہارے بعد
چھائی ہیں آہ گل پہ یہ کیسی اداسیاں ؛ لگتا ہے چمن کیوں یہ بیاباں تمہارے بعد
اے فخر دیں اے فخر جہاں اے فخر ملت ؛ کس پر کرے گا فخر مسلماں تمہارے بعد
اے کاش کوئی کہتا خدا کے رفیق سے
کیسا مطیع ہے ہائے پریشاں تمہارے بعد

آہ حضرت مولانا فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

از قاری محمد اسحاق حافظ سہارنپوری انبالہ شہر

عمدۂ جمعیۃ وہ مذہب کا امام ؛ وہ وطن کا قائد ذی احتشام
رہنمائے اعظم اسلامیاں ؛ ایشیا کی ذات والا احترام
وہ امیر کاروان حریت ؛ دین حق کی شان وہ گردوں مقام
جو رہا سینہ سپر حق کے لئے ؛ جو صف باطل سے ٹکرایا مدام
جسکا ظاہر اور باطن ایک تھا ؛ ایک تھا جسکا عمل جسکا مقام
علم کی خدمت میں جو رہتا تھا مست ؛ جسکا ہر اک سانس تھا وقف عوام
جو تھا نثر نثار مئے حب نبیؐ ؛ رات دن پیتا تھا جو وحدت کے جام
ہاتھ میں رہتی تھی جس کے ہر گھڑی ؛ خلق اسلامی کی تیغ بے نیام
ہے دعا حافظؔ کی اس کی ذات پر
بارش انوار رحمت ہو مدام

سرشکِ حسن و الم

از ... مولانا حسین احمد صاحب رحمانی جانپج بھاگلپور

فخرِ دین فخرِ وطن جاتا رہا ؛ آفتابِ علم و فن جاتا رہا

فخرِ تھا امت کو جس کے نام پر ؛ آج وہ درِ عدن جاتا رہا

از مولانا محمد مبین الحق صاحب۔ قطعۂ تاریخ

آں فخرِ دیں فخرِ وطن آں شیخ ما شیخ حدیث ؛ از رحلت آں شیخ کل بے انتہا افسوس شد

سینہ کہ سوزاں دل تپاں ہاتف بگفت با چشم نم ؛ شیخ فخر الدین احمد وارث الفردوس شد

۱۳۹۲ھ

اشکہائے الم برسانحۂ ارتحال

فخر الاسلام حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب شیخ الحدیث

از فتح محمد دلشاد صاحب مٹھیادی چمپارنی

چشم دل نمناک ہے فخرِ جہاں تیرے بغیر ؛ ہر خبر غمناک ہے فخرِ جہاں تیرے بغیر

ہر کلی مغموم ہے اور بلبلیں خاموش ہیں ؛ بن گیا ہے ہر چمن نوحہ فشاں تیرے بغیر

تیری فرقت میں ہیں یہ ارض و سماں بھی مضطرب ؛ بن گیا خورشید بھی آفت نشاں تیرے بغیر

ملتِ اسلام کا تھا تو امیر کارواں ؛ آگیا اب زیر گردش کارواں تیرے بغیر

جس چمن کے واسطے دیں آپ نے قربانیاں ؛ بن گیا ہے وہ چمن آفت نشاں تیرے بغیر

مبتلائے کشمکش ہے اور بے جان و جگر ؛ امت خیر الامم کا آشیاں تیرے بغیر

آسمانِ علم کا تھا تو درخشاں آفتاب ؛ رہ گیا بے حس اب وہ کہکشاں تیرے بغیر

ہو رہی ہے یورشِ ظلم و ستم اغیار کی

کر رہے ہیں آج تک آہ و فغاں تیرے بغیر

نالۂ غم

از:- مولانا عبدالغنی فاروقی (چاندبروا) چمپارنی

منبع رشد و ہدایت اور شریعت کا منار ؛ کارزار حرب کا دُرِّ یکتا شہسوار
پاسبان علم و حکمت فخر دیں فخر جہاں ؛ ہم کو محزوں کر گیا اور رحلید با بیت القرار

جانشین شیخ مدنی

نتیجۂ فکر:- مولانا آس محمد صاحب گلزار قاسمی

تیرے نغمے زندگی بھر گنگناتے جائینگے ؛ یاد میں تیری سدا آنسو بہائے جائینگے
ہائے بیوں نازک لبوں پر وہ کلام مصطفےٰ ؛ اس تکلم کو جہاں میں اب کبھی نہ پائیں گے
فخر دیں فخر جمعیت فخر جہاں دارالعلوم ؛ اب کہاں سے تیرا ثانی ڈھونڈ کر لائیں گے
جانشین شیخ مدنی یاد ماضی بن گئے ؛ جو حقیقت تھے کبھی افسانہ اب کہلائیں گے
سونا سونا لگ رہا ہے گلشن دارالعلوم ؛ پھول کتنے یاد میں تیری ہی مرجھا جائیں گے
بانوے ہجری کا دورہ رہ گیا ہے راہ میں ؛ تو ہی اب بتلا کہ ہم کس کے سہارے جائینگے
ہر خوشی اہل جمعیت کی الم میں ڈھل گئی ؛ تم کو اجلاس جمعیت میں کہاں سے لائیں گے
دیوبند میرٹھ ہے دہلی اور مرادآباد ہے..... وطن و مسکن جائے فن مدفن یہی کہلائیں گے

گردش ایام سے گلزار بچ سکتے ... نہیں
ذائقہ سب موت کا چکھیں گے سب ہی جائیں گے

قطعۂ تاریخ

از اختر مظاہری

واصل حق ہوگئے شیخ الحدیث — ہے دعا حق ان سے راضی ہو مزید
اہل جنت نے کہا اختر یہی — آگئے تو فخر دیں خوش آمدید

١٩٧٢ء

آہ! مولانا سید فخر الدین احمد صاحب

از ندیم مرادآبادی

صدر جمعیۃ جناب فخر الدین — جن کو کامل تھا ذاتِ حق پہ یقین
درس جو دیتے تھے شریعت کا — باغ فردوس میں ہیں آج مکیں
قصر اسلام کے تھے وہ معمار — علم دین متیں کے آئینہ دار
ان کا دار العلوم ہی تو نہیں — مدرسہ شاہی بھی ہے شکر گذار
پاک صورت تھے نیک سیرت تھے — باوضع اور با مروت تھے
خوبیاں کیا بیاں ہو آن کی — ماہرِ درسِ دینِ فطرت تھے
کوئی کیا دیکھے کیفیت انکی۔ — کوئی کیا جانے علمیت ان کی
فخر ہندوستان فخر عرب — کوئی کیا سمجھے شخصیت ان کی
رنگ و بوئے گل چمن کیلئے — آدمیت کے بانکپن کے لئے
سختیاں جھیلی ہیں قید خانیکی — نظم و آزادی وطن کے لئے
لائق فخر ہے مرادآباد — دفن ہے جس کی خاک میں استاذ

پسماندوں کو صبر دے یا رب
اور کر ان کو داخل جنت

شجرۂ مبارکہ حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب

صدر المدرسین دار العلوم دیوبند و صدر جمعیۃ علماء ہند

نبی اکرم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - حضرت فاطمہ زہرہ رضہ
حضرت امام حسینؓ - حضرت امام زین العابدینؓ - فضل احمد رحمۃ اللہ علیہ
عبد اللہ رح - محمد صادق رح - محمد رضا احمد رح - موسیٰ کاظم رح - امام جعفر صادق رح
سید باقر رح - محمد نعمت اللہ رح - محمد طاہر رح - شہاب الدین رح - علاء الدین رحمۃ اللہ
محمد قاسم رح - سید محمد رح - محمد طاہر رح - سلطان الدین رح - سوندن رح - حسن رح - منتخب رح
احمد رح - علی رح - مظہر رح - قاضی عبد الغنی رح - عبد المجید رح - سید احمد کریم رحمۃ

سید قطب ۱ - سید عالم ۲ - سید فرید ۳ - سید مرید ۴

سید عبد اللہ   سید امان اللہ

سید عباد اللہ ابن سید غلام خضر

مبارک علی   یعقوب علی   مردان علی   حیدر علی   اکبر علی

عبد الحکیم   دختر   محمد عبد اللہ   دختر   دختر   سید عبد الغفور   سید ضامن - سید ممتاز علی   دختر

محمد عمر   محمد صدیق

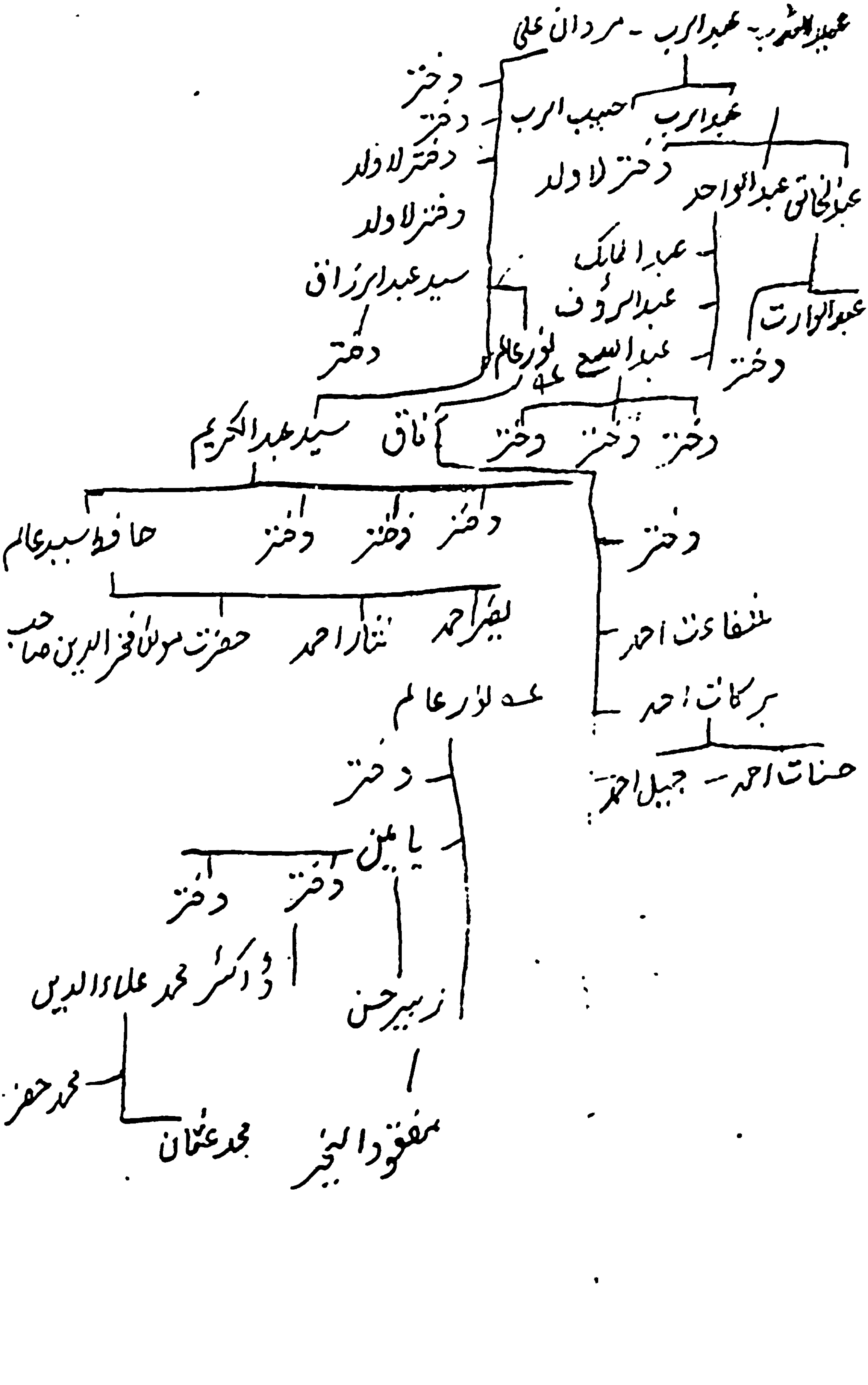
عبد العلی

عبد الحق   ذو الفقار   محمد ہارون

عبد الرب

عبد اللہ

بقیہ آگے صفحہ پر


عبداللہ رب - عبدالرب - مردان علی
دختر
دختر
دختر لاولد
دختر لاولد
سید عبدالرزاق
دختر
حبیب الرب
عبدالرب
دختر لاولد
عبدالخالق
عبدالواحد
عبدالمالک
عبدالرؤف
عبدالسمیع
عبدالوارث
دختر
نورعالم
سید عبدالکریم
ناق
دختر
دختر
دختر
دختر
حافظ سید عالم
دختر
دختر
دختر
دختر
بشیر احمد
نثار احمد
حضرت مولانا فخرالدین صاحب
شفاعت احمد
برکات احمد
حسنات احمد - جمیل احمد
عبد نورعالم
دختر
یامین
دختر
دختر
ڈاکٹر محمد علاءالدین
زبیر حسن
محمد جعفر
محمد عثمان
مفقود الخبر

ملنے کے پتے

(۱) الجمعیۃ بکڈپو قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶ — 110006

(۲) کتب خانہ عزیزیہ اردو بازار جامع مسجد دہلی

(۳) مکتبہ نور نظام الدین نئی دہلی ۱۳

(۴) مکتبہ رحمت دیوبند (یوپی)

(۵) مکتبہ نعمانیہ دیوبند (یوپی)

(۶) مکتبہ ہشام خیرنگر میرٹھ یوپی

(۷) النادی علمی مدرسہ رحمانیہ ہاپوڑ یوپی